# فصل پنجم

## "اختلاف بیانیوں" کی حقیقت

اے کہ ہر دم بدگمانی تیرا کاروبار ہے
دوسری قوت کہاں گم ہو گئی اے ہوشیار

(حضرت مسیح موعودؑ)

---

مصنف "عشرہ کاملہ" نے اپنی فصل پنجم میں بزعم خویش سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے دس اختلاف بیانیاں پیش کی ہیں اور پھر آیت وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ منجانب اللہ نہ تھے۔ ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث سے پیشتر چند امور ضرور یہ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

**امر اوّل** معترض نے حضرتؑ کی چند تحریریں پیش کر کے ان کو "متناقض بیانات" قرار دیا ہے۔ حالانکہ اسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ تناقض کے تحقق کے لئے آٹھ باتوں میں اتحاد ضروری ہے۔ اہل منطق کا مشہور مقولہ ہے سے

در تناقض ہشت وحدت شرط داں   وحدت موضوع و محمول و مکاں
وحدت شرط و اضافت جزو کل   قوت و فعل است در آخر زماں

یعنی موضوع، محمول، شرط، مکان، زمانہ، اضافت، جزو کل اور بالقوہ و بالفعل کے لحاظ سے اگر دو قضیے متفق ہوں۔ مگر ان میں ایجاب و سلب یعنی "ہے" اور "نہیں" کا بلحاظ حکم نیز قضیہ موجہہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیت کا اختلاف ہو۔

تو وہ متناقض کہلائیں گے۔ کیا اِس طور سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی ایک عبارت بھی کسی دوسری سے مختلف ہے "تا ان عبارات کو متناقض بیانات کہا جاسکے؟ ہرگز اور قطعاً نہیں! اگر آج ایک نبی ایک بات اپنے خیال کے مطابق کہتا ہے لیکن کل کو خدا تعالیٰ اسے بتلاتا ہے کہ یہ غلط ہے صحیح بات یُوں ہے اور پھر وہ اس کا اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اعلان کر دیتا ہے کیا یہ تناقض ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس امرِ اوّل تو یہی ہے کہ تناقض اور اختلاف کے مفہوم کی تعیین ضروری ہے۔

**امرِ دوم** دوسری بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ معترض پٹیالوی کے دعویٰ اور دلیل میں کوئی جوڑ نہیں۔ کیونکہ اس نے دعویٰ یہ کیا تھا کہ آیت ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً کے رُو سے حضرت مرزا صاحبؑ کا مفتری اور جھوٹا ہونا ثابت کروں گا۔ ہم اختصارِ کلام کی خاطر اس کے بیان کردہ معنوں کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں اور اختلاف کا مفہوم بھی اختلافِ بیان ہی مان لیتے ہیں مگر صرف اتنا واضح کرنا چاہتے ہیں کہ لوجدوا فیہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے جیسا کہ آیت کے پہلے حصہ میں مذکور ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ پس مطلبِ آیت یہ ہوا کہ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا الہام اور اس کا متلو کلام ہے، اس میں اختلاف نہیں۔ اور اگر اس میں اختلاف ہوتا تو یہ رسول کریمؐ کے منجانب اللہ ہونے کے خلاف تھا۔ اس دعویٰ کے مطابق منکر پٹیالوی کا فرض تھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں اپنا مزعومہ اختلاف پیش کرتا مگر جیسا کہ ابھی تفصیلاً آپ پڑھیں گے اُس نے اِس فصل میں الہامات کے متعلق نہیں بلکہ حضرت کی اپنی تحریرات کے متعلق بحث کی ہے۔ بہر حال دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہیں۔ موجودہ اعتراضات کی رو سے آیت مذکورہ کو عنوان میں درج کرنا علمِ قرآن سے اپنی محرومی کا ثبوت دینا ہے۔

**امرِ سوم** یہ بھی حل طلب بات ہے کہ اختلاف کے وجود و عدمِ وجود میں کس کے فیصلہ پر انحصار ہوگا، کیا معاند اور مخالف لوگوں کی بات قطعی حجت ہوگی؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا تسلیم کیا جاوے تو ان کے نزدیک تو قرآن مجید میں بھی بہت سے اختلافات موجود ہیں۔ عیسائیوں نے خاص اِسی موضوع پر ایک رسالہ

"اختلافِ قرآن" شائع کیا ہے۔ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند نے بھی لکھا ہے کہ:

"کہیں تو قرآن میں لکھا ہے کہ اونچی آواز سے اپنے پروردگار کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے کہ دھیمی آواز سے خدا کو یاد کرو۔ اب کہیئے کونسی بات سچی اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں پاگلوں کی بکواس کی مانند ہوتی ہیں"

آریہ اور عیسائی مناظرین مباحثات میں بالعموم اپنی کوتاہ فہمی سے کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں تو اِن آیات کا کیا جواب ہے۔ مثلاً (۱) ایک طرف وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فرمایا اور دوسری طرف مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ مذکور ہے۔ (۲) ایک جگہ اِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہے اور دوسری طرف اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وارد ہے۔ (۳) ایک سورۃ میں ہے لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا اور دوسری میں لکھا ہے فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْد (۴) ایک طرف ہے اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ اور دوسری جگہ ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۵) ایک جگہ آتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ اور دوسرے مقام پر وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا آیا ہے (۶) ایک آیت میں اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى فرمایا اور دوسری جگہ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا نازل ہوا وغیرہ۔

بلاشک وشبہ قرآن مجید میں ایک ذرہ بھر اختلاف نہیں اور احمدیہ لٹریچر میں مخالفین کے اِن اور ایسے ہی دوسرے تمام اعتراضات کے جواب نہایت مفصل اور مدلل موجود ہیں، اور دیئے جاتے ہیں۔ یہ اِن جوابات کے لکھنے کا موقع نہیں بلکہ اِس وقت اِس ذکر سے ہمارا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ صرف مخالفین اور مکذبین کے کہنے سے ہی کسی الہامی کتاب یا کسی نبی کے کلام میں تضاد ثابت ہو جاتا ہے تو پھر ہمیں سب انبیاء اور اُن کی کتابوں سے انکار کرنا پڑے گا۔ (اعاذنا اللّٰہ منہ) لہٰذا سب سے پہلے مرحلے پر اِس فصل پنجم کے اعتراضات کے جواب میں ہم یہی کہیں گے کہ یہ اعتراض منکرین کی طرف سے ہمیشہ ہوتا آیا ہے اور ایسی ایسی پاکیزہ اور با ترتیب

کلام پر ہوتا رہا ہے جس سے زیادہ فصیح و بلیغ ناممکن محض ہے۔ کیونکہ وہ عدُوّ دشمن بات کرنے لیتوفی۔

پس اے معترض پٹیالوی! ؎

کذّب وما التکذیب منك ببدعة

رسم تقادم عهده المتقدّم

## امر چہارم

مجھے ان لوگوں پر سخت حیرت ہے جو خدا کے محفوظ اور ابدی قانون (قرآن مجید) میں متعدد آیات کو منسوخ مانتے ہوں اور پھر وہ "اختلاف بیانی" کو بطور اعتراض پیش کرتے ہوں۔ غیر احمدی فرقوں کا قاطبۃً اعتقاد ہے کہ قرآن پاک کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہؤا اور واجب العمل تھا مگر کسی دوسری آیت نے آکر اس حکم اور اس آیت کو منسوخ کر دیا۔ ان لوگوں کا قرآن مجید پر یہ صریح ظلم ہے۔ بے شک ہمارا دعویٰ اور یقین ہے کہ قرآن مجید کا ایک حرف، ایک نقطہ بلکہ ایک شعشہ بھی منسوخ نہیں ہؤا اور نہ ہو سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو بیسیوں آیات کو منسوخ مانتے ہوں وہ کس مُنہ سے "اختلاف بیانی" پر معترض ہوتے ہیں؟ ان لوگوں میں سے بعض نے پانسو آیات کو منسوخ قرار دیا اور بعض نے بیس پر اکتفا کیا۔ اس پر بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی ایسے متبحر کو بھی لکھنا پڑا:-

"عَلٰی مَا حَرَّرْتُ لَا یَتَعَیَّنُ النَّسْخُ اِلَّا فِیْ خَمْسِ مَوَاضِعَ"

(الفوز الکبیر صفحہ ۲۱)

کہ میرے بیان کے مطابق صرف پانچ آیات منسوخ ہیں"۔ لیکن خدا کے جری حضرت مسیح موعودؑ نے اس گرہ کو بالکل کھول دیا اور بتلایا کہ چونکہ ان لوگوں کو ان آیات کی حقیقت سے مطلع نہ کیا گیا تھا اسلئے انہوں نے ایسا خیال کیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایک بھی آیت منسوخ نہیں بلکہ الحمد سے لیکر والناس تک سارے کا سارا قرآن مجید تا قیامت قائم اور واجب العمل ہے۔

میں دوسری طرف چلا گیا مجھے صرف یہ بتلانا مطلوب ہے کہ جو لوگ قرآن مجید تک میں "اختلاف بیان" مان رہے ہوں اُن کا حضرت مرزا صاحبؑ کے کلام میں "اختلاف بیانیاں" ثابت کرنے کی کوشش کرنا کوئی بہت زیادہ تعجب خیز نہیں۔

کیونکہ یہ لوگ اِس بات کے عادی ہو چکے ہیں۔

ناظرین! خدا لگتی کہیئے کہ اگر یہ درست ہے کہ:۔

"خدا کسی حکمت سے چند روز ایک حکم صادر فرمائے اور بعد چند روز کے اس کو اُٹھا دے تو کوئی مشکل امر نہیں" (تفسیر ثنائی جلد اوّل ص۱۰۱)

تو پھر اگر خدا کا ایک بندہ چند روز تک ایک حکم یا ایک بات بیان کرے پھر کچھ عرصہ کے بعد خدا اس کو اُٹھا دے تو یہ کوئی مشکل امر ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اس کو "اختلاف بیانی" قرار دیکر شور مچانا بلکہ مدّعی کی بطالت کی دلیل گردا ننا سراسر نادانی ہے۔

## معترض پٹیالوی کا چیلنج

اِس مختصر تمہید کے بعد میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے وہ "اختلافات" جن کو دشمن محض سوء فہمی سے اختلاف قرار دے رہے ہیں درحقیقت کوئی اختلاف اور تناقض نہیں۔ جیساکہ آپ کو خود بھی ابھی معلوم ہو جائیگا۔ لیکن آپ معترض پٹیالوی کی جو محض دوسروں کا پس خوردہ کھانے والا ہے تحدّی بھی ملاحظہ فرمائیں بحروف جلی لکھا ہے:۔

"(ہم) دس اختلاف بیانیاں یہاں درج کرتے ہیں اور میرزائی صاحبان کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اختلافات میں تطبیق کر کے دکھلادیں۔" (عشرہ ص۵۳)

کسی نے خوب کہا ہے ع۔ لو مینڈکی کو بھی زکام ہوا۔

# اختلافات کا جواب

## پہلا اختلاف

اِس نمبر میں منشی صاحب نے ازالہ اوہام، توضیح مرام اور ایک غلطی کا ازالہ کے حوالے درج کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

"حوالہ الف (ازالہ اوہام) میں محدثیت کا اقرار ہے اور نبوت کا انکار مگر حوالہ ج (ایک غلطی کا ازالہ) میں نبوت کا دعویٰ ہے اور محدثیت سے انکار۔ پس بقول خود نہ آپ محدث ہیں نہ نبی۔" (عشرہ ص۵۴)

**الجواب الاوّل** ۔ اے معترض پٹیالوی! اگر تجھ میں ذرہ بھر بھی دیانت موجود ہے تو بتلا کہ کیا تجھے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" میں مندرجہ ذیل عبارت نہیں ملی؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دعویٰ نبوت کے اقرار اور انکار میں خود تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے، رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے، اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ طبع سوم مش)

گویا مستقل اور شریعت والی نبوت کا انکار ہے اور ظلّی اور غیر تشریعی نبوت کا اقرار ہے لہٰذا کوئی اختلاف، تضاد یا تناقض نہیں۔ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ کوئی شخص کہے میں نے ایم۔ اے پرائیویٹ طور پر پاس نہیں کیا، لیکن گورنمنٹ کالج میں تعلیم پا کر پاس کیا ہے۔ کیا ان دونوں میں اختلاف ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ جس حیثیت کی نفی ہے اس کا اثبات نہیں۔ اور جس پہلو کا ادعا ہے اس کا انکار نہیں دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ زید باپ ہے اپنے بیٹے خالد کا اور زید باپ نہیں عمرو کے بیٹے بکر کا۔ کیا یہ متناقض بیانات ہیں؟ حضرت مسیح موعودؑ ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔"
(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

اپنے متعلق فرمایا ؎

دگر استاد را نامے ندانم ❊ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

(درثمین فارسی)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرت اقدسؑ نے خود اس کی تطبیق نہایت واضح اور بیّن طور پر تحریر فرما دی ہے۔ اب اس کے لیئے "میرزائی صاحبان کو چیلنج" دینا کمال ڈھٹائی ہے سچ ہے اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔

الجواب الثانی۔ معترض پٹیالوی نے حوالہ حج سے یہ استدلال کیا ہے کہ "نبوت کا دعویٰ ہے اور محدثیت سے انکار" اور پھر اسی پر مطابق "بناء الفاسد علی الفاسد" لکھا ہے "پس بقول خود نہ آپ محدّث ہیں نہ نبی"۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حوالہ حج کا وہ مفاد ہی نہیں جو معترض نے لکھا ہے لہذا اس پر "نہ آپ محدث ہیں نہ نبی" کی فرع قائم کرنا خود بخود باطل ہو گیا۔ حوالہ مذکور معترض کے الفاظ میں ہی یوں ہے۔ فرمایا:۔

"اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کہ کس نام سے اس کو پکارا جائے۔ اگر کہو کہ اس کا نام محدّث رکھنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنی لغت کی کسی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں"

کیا اس عبارت کا یہ منشاء ہے کہ جو نبی ہو وہ محدّث نہیں ہوتا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا تو صرف یہ مطلب ہے کہ خدا سے غیب کی خبریں پانے والے کا نام صرف محدّث نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ ضروری ہو گا کہ تم اس کا نام نبی رکھو۔ چنانچہ اسی رسالہ میں حضور رقمطراز ہیں:۔

"یہ بھی یاد رہے کہ نبی کے معنے لغت کے رُو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پاکر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا۔" (صٰ)

گویا خدا سے غیب کی خبریں پانے والے کا نام نبی رکھنے میں تنازع ہے اور حضرت اقدسؑ اس کے لیئے ثبوت دیتے ہوئے اس مفہوم کو محدثیت کے دائرہ سے بالا ثابت کر رہے ہیں نہ کہ اپنی محدثیت کا انکار فرما رہے ہیں۔ کیا کوئی ایک بھی ایسا مقام ہے جس میں لکھا ہو کہ مَیں محدّث نہیں ہوں۔ یہ تو صرف نبوت کی تعریف کو محدثیت سے ممتاز کیا گیا ہے ویسے

مثال کے طور پر یوں سمجھ سکتے ہو کہ "غیب کی خبریں پانا" بی۔اے کا ڈپلومہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ "جس کے پاس یہ ڈپلومہ ہو اس کا کیا نام رکھا جائے گا؟ اگر کہو کہ اسے ایف۔اے کہنا چاہیئے تو میں کہتا ہوں کہ یونیورسٹی کے کس قانون کے ماتحت ایف۔اے پاس طالب علم کے پاس یہ ڈپلومہ ہوتا ہے"۔ اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں لیا جائے گا کہ وہ ڈپلومہ والا طالب علم ایف۔اے پاس نہیں۔ بلکہ یہ کہ ایف۔اے پاس بھی ہے اور بی۔اے بھی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی متذکرہ صدر عبارت کا مطلب صاف ہے کہ آپ نبی بھی ہیں اور محدث بھی۔ فبطل ما کانوا یأفکون۔

**الجواب الثالث**۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پر یکجائی نظر کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حضورؑ کا دعویٰ براہین احمدیہ کے زمانہ سے لیکر یوم وصال تک یہی رہا ہے کہ خدا تعالیٰ مجھ سے بکثرت مکالمہ و مخاطبہ کرتا ہے، وہ مجھ پر غیب کی خبریں ظاہر فرماتا ہے اور آپ نے الہام میں میرا نام نبی رکھتا ہے۔ ان امورِ ثلاثہ کے مجموعہ کو آپؑ اوائل میں محدثیت کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ کیونکہ اس وقت تک، آپؑ کے نزدیک بھی دوسرے لوگوں کی طرح، نبی کے لئے جدید شریعت لانا یا مستقل ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> "اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکامِ شریعتِ سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی اُمت نہیں کہلاتے اور براہِ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں"۔ (الحکم جلد ۳ نمبر ۲۹ ۱۸۹۹ء)

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر واضح کر دیا کہ نبی کے لئے شریعت کا لانا یا مستقل ہونا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی نہ ہونا شرط نہیں تو آپؑ نے صاف فرما دیا کہ:۔

> (الف) "نبی کے معنی صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرفِ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحبِ شریعت رسول کا متبع نہ ہو"۔
> (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۸)

(ب) "میں نے چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں مگر اس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا پس یہ اس خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟ میرا اس میں کیا قصور ہے؟ اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹-۱۵۰)

غرض صرف اصطلاح میں معمولی سا فرق ہوا ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی متواتر وحی کے بتانے سے نفس دعویٰ میں کوئی فرق نہیں ہوا بلکہ وہی امورِ ثلاثہ کا مجموعی مرکب آپ کا دعویٰ تھا۔ ہاں پہلے آپ لوگوں کی اصطلاح کے مطابق (جسے آپ نے ۱۸۹۱ء میں اصطلاح اسلام کے نام سے بھی ذکر فرمایا ہے) اس دعویٰ کا نام محدث رکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بعد آپ نے اس کا نام نبی فرمایا اور اسے اسلام کی اصطلاح، خدا کی اصطلاح اور نبیوں کی اصطلاح قرار دیا۔ لیکن حقیقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء کی کتاب "تجلیاتِ الٰہیہ" میں بھی فرمایا کہ:۔

"میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی و قطعی بکثرت نازل ہو۔ جو غیب پر مشتمل ہو۔ اسلئے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔" (صفحہ ۲۶)

بہر حال صرف نام کی تبدیلی ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے۔ کیا یہ "اختلاف بیانی" ہے؟ کیا یہ تضاد ہے؟ انصاف! انصاف!! انصاف!!! یاد رکھو اس قسم کے واقعہ کو "اختلاف بیانی" نہیں کہا کرتے۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ باوجودیکہ آپ "للعلمین نذیراً" تھے مگر جب ایک

---

لہ لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳ طبع دوم۔ ۲ہ چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۵۔ ۳ہ الوصیت صفحہ ۱۲

شخص نے آپ کو خیر البریہ کہا تو آپ نے فرمایا۔ ذالک ابراھیم علیہ السلام کہ یہ ابراہیم کا مقام ہے۔ (مسلم جلد ۲ فضائل ابراھیم الخلیل) اور بعض دوسرے مواقع پر تو آپؐ نے یہاں تک فرما دیا۔ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنَ مَتّٰی، لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ فَقَدْ کَذَبَ (مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء) کہ مجھے یونسؑ سے افضل نہ کہو، مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو، جو آپنے آپ کو یونس سے بہتر کہے وہ جھوٹا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وضاحت سے کھول دیا تو آپؐ نے فرمایا۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ کہ میں آدم زادوں کا سردار ہوں (مشکوٰۃ المصابیح) پس اس قسم کے بیانات کو متضاد کہنا یقیناً کھلی دیوانگی ہے۔

**الجواب الرابع** ۔ معترض پٹیالوی کا یہ اعتراض قرآن مجید اور احادیث سے عدم واقفیت بلکہ ان سے دشمنی پر مبنی ہے۔ اگر اسے علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ اعتراض نہ کرتا اور اسے اختلاف بیانی نہ قرار دیتا۔ قرآن مجید حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا الآیۃ (الشوریٰ ع) کہ تجھے اس کتاب کے اترنے سے پہلے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا کہ یہ کیا ہوتے ہیں، ہم نے ہی اس کو نور بنایا ہے اور لوگوں کو اس کے ذریعہ ہدایت کرتے ہیں۔" رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا دستور العمل تھا؟ لکھا ہے۔ کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) کہ آپؐ ان باتوں میں جن میں آپؐ مامور نہیں ہوتے تھے اور جن میں آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی نزولِ وحی تک اہل کتاب سے موافقت کرتے تھے۔ یعنی وہی کرتے اور اعتقاد رکھتے جو اہل کتاب کرتے اور اعتقاد رکھتے تھے۔ جب وحی نازل ہو جاتی تو آپؐ کا عمل اور اعتقاد وحی کے مطابق ہو جاتا تھا۔ شریعت آہستہ آہستہ تیئیس سال میں مکمل ہوگئی۔

پھر لکھا ہے اِنَّہٗ صَلّٰی قِبَلَ بَیْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّۃَ عَشَرَ شَھْرًا اَوْ سَبْعَۃَ عَشَرَ شَھْرًا (بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ یا سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے" اور بعد ازاں بیت اللہ الحرام کی طرف منہ

کرنے کا حکم آگیا آپ نے اُدھر منہ کرنا شروع کر دیا۔ مگر اس وقت بھی معترض پٹیالوی کی فطرت کے لوگ چیخ اُٹھے تھے مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا کہ انہوں نے تبدیل قبلہ کیوں کر لیا یہ تو قابلِ اعتراض امر ہے؟ مگر جانتے ہو کہ رب السمٰوات نے ان کے حق میں کیا فرمایا؟ یہی کہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ جو اس تحویلِ کعبہ کو موردِ طعن بنا رہے ہیں۔ کیا قرآن کے اِن الفاظ میں معترض پٹیالوی اور اس کے رفیقوں کے لیئے تازیانہ نہیں؟

اور پڑھیئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے کہ:۔

"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع فرمایا بعد اصلاح اجازت دیدی۔ اور ان کے بخل کے مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین روز سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا بعد میں اجازت دیدی۔ ایسا ہی شراب کے برتنوں میں بھی کھانا پینا منع کیا تھا مگر بعد میں اُن کے استعمال کی اجازت بخشی۔" (تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ حاشیہ)

گویا بسا اوقات ایسا ہوا کہ حکم دیا گیا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم کو منسوخ فرما دیا۔ کیا یہ سب اختلاف بیانیاں ہیں اور بقول منشی یعقوب صاحب متضاد اور متناقض بیانات؟

الغرض ہم نے چار جوابات سے ثابت کر دیا ہے کہ مصنف عشرہ کاملہ کا اعتراض بالکل لغو اور محض غلط ہے۔ ہر دو عبارتوں میں تطبیق نہایت واضح ہے بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمائی ہے۔ ؎ تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔

## دوسرا اختلاف

دوسرا اختلاف معترض نے "کفر و اسلام محمدیاں" کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ یعنی پہلے حضرت مرزا صاحب نے اپنے منکرین کو کافر قرار دینے سے انکار فرمایا اور بعد میں وہ اور ان کی جماعت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر کو کافر سمجھنے لگ گئے۔ لہذا یہ دونوں باتیں ایک سرچشمہ سے نہیں نکل سکتیں۔

الجواب ۱۔ کیا اسی قسم کی "اختلاف بیانیوں" پر آپ نے اتنی لن ترانیاں

بانگ دی تھیں ؟ بھلا کوئی عقلمند انسان اس کو تناقض، تضاد اور اختلاف بیان کہہ سکتا ہے؟
اگر یہی آپ کا مایۂ ناز سرمایہ ہے تو پھر اس میں اور بھی اضافہ کر لیجئے کہ پہلے حضرت مرزا صاحب
اپنے آپ کو مسیح موعود نہ کہتے تھے پھر مسیح موعود ہونے کے مدعی ہو گئے۔ پہلے مدعی مجددیت
نہ تھے پھر مدعی ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی عبارات کو متضاد اور متناقض قرار دینا انصاف
کا خون کرنا ہے کتنی واضح بات ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ پر ظاہر نہ فرمایا
گیا آپ انکار فرماتے رہے جب اس باب میں اللہ تعالیٰ نے متواتر الہامات کے ذریعہ توضیح
فرما دی تو آپؑ نے بھی اعلان فرما دیا۔ سیّد الانس والجانؐ فرماتے ہیں:۔

"مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ" (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱)

کہ جو کہے کہ میں حضرت یونسؑ سے بہتر ہوں وہ کاذب ہے لیکن بعد تواتر وحی منجانب اللہ
درباره افضلیت خود فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ مطبوعہ مصر)
کہ میں سب آدمزادوں کا سردار ہوں۔ کیا کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے اوائل
میں جو نرمی اختیار کی یا یونسؑ کی افضلیت کا اعتراف فرمایا تو وہ وہی نرمی تھی جو "ایک سنے
دکاندار کے لئے لازم ہوتی ہے۔" (عشرہ صفحہ ۵۵) منشی محمد یعقوب کا ایسا خیال درحقیقت
اپنی باطنی حالت کا اظہار ہے۔ سچ ہے ؎ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست۔

**الجواب ۲:۔** معترض پٹیالوی نے انکارِ کفر کے لئے تریاق القلوب وغیرہ سے دو
حوالے درج کئے ہیں اور بعد کی چند عبارات درج کی ہیں۔ یہ سوال بعینہٖ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ سائل لکھتا ہے:۔

"حضور عالی نے ہزاروں جگہ تحریر فرمایا ہے کہ کلمہ گو اور اہلِ قبلہ کو کافر
کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ علاوہ ان مومنوں کے
جو آپ کی تکفیر کر کے کافر بن جائیں صرف آپ کے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں
ہوسکتا لیکن عبد الحکیم خان کو آپ لکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت
پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس بیان اور
پہلی کتابوں کے بیان میں تناقض ہے۔ یعنی پہلے آپ تریاق القلوب وغیرہ

میں لکھ چکے ہیں کہ میرے نہ ماننے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اور اب آپ لکھتے ہیں کہ میرے انکار سے کافر ہو جاتا ہے۔"

حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا :-

"یہ عجیب بات ہے کہ آپ کافر کہنے والے اور نہ ماننے والے کو دو قسم کے انسان ٹھہراتے ہیں حالانکہ خدا کے نزدیک ایک ہی قسم ہے کیونکہ جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ اسی وجہ سے نہیں مانتا کہ وہ مجھے مفتری قرار دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا پر افتراء کرنے والا سب کافروں سے بڑھ کر کافر ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ۔ یعنی بڑے کافر دو ہی ہیں ایک خدا پر افتراء کرنے والا دوسرا خدا کی کلام کی تکذیب کرنے والا۔ پس جب کہ میں نے ایک مکذب کے نزدیک خدا پر افتراء کیا ہے اس صورت میں نہ میں صرف کافر بلکہ بڑا کافر ہوا اور اگر میں مفتری نہیں تو بلاشبہ وہ کفر اس پر پڑے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خود فرمایا ہے۔ علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسولؐ کی پیشگوئی موجود ہے الخ"

حاشیہ پر رقمطراز ہیں :-

"بلاشبہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتا ہے کافر ہے۔ سو جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ مجھے مفتری قرار دیکر مجھے کافر ٹھہراتا ہے اس لیے میری تکفیر کی وجہ سے آپ کافر بنتا ہے۔" (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ حاشیہ)

پھر اسی ذیل میں تحریر فرمایا ہے :-

"میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر لوگ میرے پر ایمان نہیں لاتے وہ سب کے سب ایسے ہیں کہ ان تمام لوگوں کو وہ مومن جانتے ہیں جنہوں نے مجھ کو کافر ٹھہرایا ہے۔ پس میں اب بھی اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہتا لیکن جن میں خود انہیں کے ہاتھ سے ان کی وجہ کفر کی پیدا ہو گئی ہے ان کو کیونکر مومن کہہ سکتا

ہوں۔" (حاشیہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۵)

گویا جب تک ان لوگوں نے خود وجہِ کفر پیدا نہ کی تھی تو وہ کافر نہ تھے۔ اور جب وجہِ کفر پیدا کر لی تو کافر بن گئے۔ کوئی نبی کافر بنانے کے لیئے نہیں آتا۔ ہاں لوگ پہلے ہی ایمان سے خالی ہوتے ہیں نبی بحیثیت مشعلِ ہدایت ان کے عیوب کو ان پر ظاہر کر دیتا ہے اور یہ اظہار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہوتا ہے۔ اسی لئے تو حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا:۔

"میری کلام میں کچھ تناقض نہیں، مَیں تو خدا تعالیٰ کی وحی کی پیروی کرنیوالا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا مَیں وہی کہتا رہا جو اوائل میں مَیں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو مَیں نے اس کے مخالف کہا۔ مَیں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

پس معترض پٹیالوی کا اعتراض غلط ہے اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ وھو المطلوب۔

مصنّف نے اس جگہ یہ بھی اعتراض اُٹھایا ہے کہ قرآن مجید، توحید، رسالت پر ایمان کے باوجود مسلمان کہلانے والے محض مرزا صاحب کو نہ ماننے سے کافر کیسے بن سکتے ہیں لیکن چونکہ اس بحث کا براہِ راست اس فصل سے تعلق نہیں اسلئے اس کا جواب فصل یازدہم میں دیا گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

**تیسرا اختلاف** **ختمِ نبوّت۔** اس نمبر میں معترض نے لکھا ہے کہ پہلے آپ ختمِ نبوّت کے ماتحت نبیوں کی بندش کے قائل تھے بعد میں نبوّت کے اجراء کا اعلان کر دیا۔ گویا معترض نے اس فصل کے پہلے نمبر کو ہی دُہرا دیا ہے۔

**الجواب۔** واضح رہے کہ ختمِ نبوّت سے جس نبوّت کی بندش کا استدلال کیا گیا ہے وہ شریعت والی، مستقل اور براہِ راست نبوّت ہے۔ اور پھر جس نبوّت کا اپنے لیئے ادّعا فرمایا ہے وہ غیر تشریعی اور آنحضرتؐ کے واسطے سے متعلق ہے۔ فلا اشکال فیہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لیئے اس کا نام پاکر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کرکے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص۸ طبع سوم)

پھر ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے، مگر وہی جو پہلے اُمتی ہو۔ پس اسی بنا پر میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔" (تجلیاتِ الٰہیہ ص۲۵)

## چوتھا اختلاف

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی قبر۔ اس عنوان کے نیچے معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب "ست بچن" اور "ازالہ اوہام" کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کے نزدیک مسیحؑ کی قبر یروشلم میں تھی (ست بچن ص۱۶۳) مسیح اپنے وطن گلیل میں جاکر فوت ہوگیا (ازالہ ص۴۷۳) بلادِ شام میں حضرت عیسیٰ کی قبر کی پرستش ہوتی ہے (ست بچن ص۱۶۴) اب تک کشمیر میں مسیح کی قبر موجود ہے۔ (ست بچن حاشیہ ص۱۶۴)

ان حوالجات کو درج کرنے کے بعد منشی محمد یعقوب صاحب لکھتے ہیں :-

"اب ناظرین ہر چہار اقوال پر غور کرکے خود ہی نتیجہ نکال لیں کہ مرزا صاحب کی کونسی بات کو سچ مانا جائے۔ پہلے مسیح کی قبر یروشلم میں بتلاتے ہیں۔ پھر ان کے اپنے وطن گلیل میں، پھر بلادِ شام میں اور پھر ان تینوں مقامات کو چھوڑ کر سری نگر کشمیر میں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام چار جگہ

مرے ؟ اور چار مقامات پر مدفون ہوئے ؟ یہ مختلف باتیں الہامی دماغ سے منسوب ہو سکتی ہیں یا ان کو خلل دماغ کہا جائے ؟" (عشرہ ص۵)

**الجوابُ الاوّل** - معترض نے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے "بلاد شام" "وطن گلیل" اور "یروشلم" کو باہم متضاد اور مخالف قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ یروشلم شہر کا نام ہے۔ گلیل اس شہر کے علاقہ یا صوبہ کا نام ہے اور شام اس تمام ملک کا نام ہے تینوں لفظ ایک وقت میں درست ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے میں کہوں کہ میں ہندوستان کا باشندہ ہوں۔ پھر کہوں پنجاب میرا وطن ہے۔ پھر کہوں کہ قادیان میرا مسکن ہے۔ کیا منشی محمد یعقوب صاحب ان تینوں الفاظ ہندوستان، پنجاب، اور قادیان کو آپس میں مخالف قرار دیں گے ؟ اگر ان کو مخالف قرار دینا درست نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیا شام، گلیل اور یروشلم کو باہم مخالف قرار دینا کھلی جہالت نہیں ؟ ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّاں
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

غالب گمان ہے کہ منشی صاحب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں سب لوگ کنوئیں کے مینڈک ہی ہوتے ہیں۔ کون غور کرے گا۔ مگر اس خیال کے قائم کرنے میں انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ ابھی دنیا عقلمندوں سے خالی نہیں ہو گئی۔ بہرحال منشی صاحب نے جو "چار مقامات" کا سوال کیا تھا وہ بالکل غلط ہے۔ ان کے پیش کردہ بیان کے مطابق بھی صرف یروشلم اور سری نگر کا اختلاف قابلِ جواب رہ جاتا ہے۔ گلیل اور بلاد شام کا ذکر کر کے انہوں نے اپنی ہی پردہ دری کرائی ہے۔

**الجوابُ الثانی** - اب یروشلم اور سری نگر (کشمیر) کا اختلاف باقی ہے جسے مخالفین دھوکہ کے لیے پیش کر سکتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یروشلم والی قبر کا ذکر ازالہ اوہام اور ست بچن میں جہاں بھی ہے عیسائی عقیدہ اور اناجیل کی رُو سے ہے معترض نے یروشلم والی قبر کے متعلق مندرجہ بالا کتابوں کے جن صفحات کا ذکر کیا ہے وہاں ہی ساتھ یہ فقرات ہیں :-

(الف) "ہاں بلادِ شام میں حضرت عیسیٰؑ کی قبر کی پرستش ہوتی اور مقررہ تاریخوں پر مزار پر عیسائی سال بسال اس قبر پر جمع ہوتے ہیں۔ سو اس حدیث (یعنی لعن اللّٰہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ رواہ البخاری۔ ابو العطاء) سے ثابت ہوا کہ درحقیقت وہ قبر حضرت عیسیٰؑ ہی کی قبر ہے جس میں مجروح ہونے کی حالت میں وہ رکھے گئے تھے۔"
(ست بچن حاشیہ ص۱۶۲)

(ب) "اور ملک شام کی قبر زندہ درگور کا نمونہ تھا جس سے وہ نکل آئے۔" (ست بچن حاشیہ ص۱۶۴)

(ج) حضورؑ نے ازالہ اوہام میں عیسائی اخبار نور افشاں مطبوعہ ۲۳ اپریل کا اعتراض "کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا ہے جس کے ایک حصہ کو "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" کہنے والے کی طرح معترض پٹیالوی نے پیش کیا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے۔ حضورؑ نے نور افشاں کی دلیل یعنی کتاب اعمال کی چند آیات نقل کرکے صاف لکھا ہے کہ:۔

"اب پادری صاحب صرف اس عبارت پر خوش ہو کر بیٹھے ہیں کہ درحقیقت اسی جسم خاکی کے ساتھ مسیحؑ اپنے مرنے کے بعد آسمان کی طرف اٹھایا گیا لیکن انہیں معلوم ہے کہ یہ بیان لوقا کا ہے جس نے نہ مسیحؑ کو دیکھا اور نہ اس کے شاگردوں سے کچھ سنا۔ پھر ایسے شخص کا بیان کیونکر قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے۔ جو شہادت رؤیت نہیں اور نہ کسی دیکھنے والے کے نام کا اس میں حوالہ ہے۔ ماسوا اس کے یہ بیان سراسر غلط فہمی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ مسیحؑ اپنے وطن گلیل میں جا کر فوت ہو گیا لیکن یہ ہرگز سچ نہیں کہ وہی جسم جو دفن ہو چکا تھا پھر زندہ ہو گیا۔ بلکہ اسی باب کی تیسری آیت ظاہر کر رہی ہے کہ بعد فوت ہو جانے کے کشفی طور پر مسیحؑ چالیس دن تک اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ مسیحؑ بوجہ مصلوب ہونے کے فوت ہوا کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے صلیب سے مسیحؑ کی جان بچائی تھی۔ بلکہ تیسری آیت باب اوّل اعمال کی مسیحؑ کی طبعی موت کی گواہی دے رہی ہے جو گلیل میں اسکو پیش آئی۔

اس موت کے بعد مسیح چالیس دن تک کشفی طور پر اپنے شاگردوں کو نظر آتا رہا۔

...... یاد رہے کہ یہ تاویلات اس حالت میں ہیں کہ ہم ان عبارتوں کو صحیح اور غیر محرّف قبول کر لیں اس قبول کرنے میں بڑی دقتیں ہیں۔" (ازالہ اوہام صـ۱۹۶ تا ۱۹۹ طبع سوم)

ناظرین کرام! ہر سہ عبارات آپ کے سامنے ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ پکار رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس قبر کو یروشلم سے منسوب کیا ہے وہ از رُوئے اناجیل وعقائد نصاریٰ ہے۔ اور وہ وہ قبر ہے جس میں حضرت مسیح کو صلیب پر سے زندہ مگر حالتِ غشی میں اُتارنے کے وقت رکھا گیا تھا اور جس کی آج تک نصاریٰ پرستش کر رہے ہیں۔ پس اوّل تو یروشلم والی قبر عیسائیوں کی مجوّزہ قبر ہے اور حضرتؑ نے اسے انجیل کے حوالہ سے مسیح کی قبر قرار دیا ہے اس لیے سری نگر والی حقیقی قبر کا ذکر اس کے متناقض نہیں۔ دوم حضرت نے یروشلم والی قبر کو ایک عارضی اور غیر مستقل بتایا ہے جہاں حضرت مسیحؑ کو مماثلتِ یونسؑ کی خاطر زندہ جانا پڑا اور وہاں سے آپ زندہ ہی نکل آئے۔ چنانچہ آپؑ غارِ ثور کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"گویا یہ تین نبی یعنی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح اور یونس علیہما السلام قبر میں زندہ ہی داخل ہوئے اور زندہ ہی اس میں رہے اور زندہ ہی نکلے۔"

(ست بچن صـ۱۶۴ حاشیہ)

لیکن سری نگر والی قبر حقیقی موت کے بعد کی مستقل قبر ہے۔ فلا اشکال فیہ۔

## الجوابُ الثالث

الجوابُ الثالث۔ اس ظاہری اختلاف کا جو جواب خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے حضورؑ فرماتے ہیں:۔

(۱) "ہاں ہم نے کسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی بلادِ شام میں قبر ہے مگر اب صحیح تحقیق ہمیں اس بات کے لکھنے کے لیے مجبور کرتی ہے کہ واقعی قبر وہی ہے جو کشمیر میں ہے۔"

(ست بچن صـ۱۶۴ حاشیہ)

(۲) "خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے مخالفوں کو ذلیل کرنے کے لیئے اور اس راقم کی سچائی ظاہر کرنے کے لیئے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ جو سری نگر میں محلہ خانیار میں یوز آسف کے نام سے قبر موجود ہے وہ درحقیقت بلا شک و شبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے" (راز حقیقت ص۲۰)

**ناظرین!** اس واضح اور قول فیصل کے ہوتے ہوئے اور ست بچن میں ہی ہوتے ہوئے معترض پٹیالوی کا اس اختلاف کو ست بچن کے حوالہ سے پیش کرنا دیانت اور انصاف کا خون کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ بلاد شام کی قبر کا خیال صحیح تحقیق پر مبنی نہیں ہے وہ اناجیل سے ماخوذ تھا صحیح تحقیق "جس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی بھی موجود ہے یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی واقعی قبر سری نگر میں ہے۔ اس حقیقت واضحہ کو تضاد، اختلاف، اور تناقض بتانا بغض و عناد کا بدترین مظاہرہ ہے۔ ع

اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

اس جگہ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی بارہ میں دو قول ہوں تو ان میں سے بعد کے قول کو ترجیح دیکر اسے ناسخ اور پہلے کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ حالت سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنا اور افطار کرنا ثابت ہے۔ اس پر امام زہری فرماتے ہیں:۔

"قَالَ الزُّهْرِيُّ وَكَانَ الْفِطْرُ اٰخِرَ الْاَمْرَيْنِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ" (مسلم جلد اول کتاب الصوم ص۲۱۵)

کہ چونکہ روزہ نہ رکھنا بعد کا عمل ہے اسلیئے وہی ارجح ہے اور آنحضرت کی سب سے پچھلی بات یا عمل کی ہی اقتداء کی جائے گی"۔ اسی بناء پر عام صحابہؓ کا مذہب یہی تھا کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْسَخُ حَدِيْثُهٗ بَعْضُهٗ بَعْضًا (مسلم جلد اول کتاب الطہارۃ باب انما الماء من الماء) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث دوسری حدیث کی ناسخ ہو سکتی ہے۔

اسی طریق پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دونوں بیانات کو دیکھا جا سکتا ہے آپ نے اوائل میں انجیلی خیالات کے مطابق مسیحؑ کی قبر یروشلم میں قرار دی لیکن بعد کی تحقیقات نے

اس انجیلی بیان کی تردید کردی اسلیئے آپ نے بھی اسے غلط قرار دے دیا اس میں اختلاف یا تناقض کیسے ثابت ہوا؟ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا کہ اگر تم کھجوروں کو پیوند نہ لگاؤ تو شاید زیادہ پھل لگے۔ دوسرے سال پھل کم لگا۔ صحابہؓ نے پیوند نہ لگانے کا ارشاد یاد دلایا اور عرض کی کہ اس سال پھل بہت ہی کم لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرا خیال تھا۔ دنیادی امور میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ مطبوعہ مصر) پس صحیح تحقیق کا علم ہو جانے پر اور پھر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی بات کو نادرست قرار دینا اختلاف نہیں کہلاتا بلکہ تصحیح کہلاتی ہے جو بالکل ضروری اور سنتِ انبیاء کے عین مطابق ہے۔

## ایک لطیف مماثلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا۔ فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل ع) اور آئندہ کے لیے بشارت دی۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ الآیۃ (النور ع) کہ اس اُمت میں اللہ تعالیٰ ویسے ہی خلیفے قائم کرے گا جیسا کہ اس نے پہلی اُمتوں میں کیئے پس مثیلِ موسیٰ کو ایک مثیلِ مسیح کا دیا جانا ضروری تھا۔ اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ میں مسیح موعود کے آنے کی خوشخبری دی۔ خدا کا جری آیا اور عین وقت پر آیا۔ افسوس اُن پر جنہوں نے اس کی مخالفت کی۔ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کا عین اسی عرصہ بعد مبعوث ہونا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ کے درمیان تھا خود ایک زبردست دلیلِ صداقت ہے مگر اس جگہ جس مشابہت کا میں ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ نہایت لطیف اور اہلِ ذوق کے لئے نکتۂ جلیلہ ہے۔

سیدنا حضرت موسیٰؑ کی وفات کے ذکر میں تورات کہتی ہے کہ:۔

”خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغفور کے مقابل گاڑا۔ پر آج

کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا" (استثناء ۳۴ باب)

گویا یہودیوں کے نزدیک موسیٰؑ کی قبر سب دنیا سے مخفی تھی اور ان میں سے کوئی اس کو نہ جانتا تھا۔ لیکن النبیّ الامّی سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ لَأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ تَحْتَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ (مسلم باب فضائل موسیٰ) کہ موسیٰؑ کی قبر بیت المقدس کے قرب وجوار میں ہے۔ اگر میں وہاں ہوتا تو سرخ پہاڑی کے نیچے اور راستے کی جانب تم کو وہ قبر دکھاتا" گویا آپؐ نے حضرت موسیٰؑ کی قبر گمنام قبر کا نشان بتایا۔ حضرت مسیح ناصریؑ کو عیسائی اور زمانۂ حال کے بعض مسلمان آسمان پر بتاتے تھے اور اس کی قبر کے کلیۃً منکر تھے۔ حضرت مثیلِ مسیحؑ تشریف لائے اور آپؑ نے محلہ خانیار شہر سری نگر علاقہ کشمیر میں حضرت مسیحؑ کی قبر کی نشان دہی فرمائی جس کے متعلق تاریخی شہادات، طبی گواہیاں، آیاتِ قرآنیہ کے اشارات اور طبعی حالات نے قطعی طور پر فیصلہ کر دیا۔ ضرور تھا کہ ایسا ہوتا۔ تاکہ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی قبر کو بے نشان کہنے والوں کو مثیلِ موسیٰؐ نے موسیٰؑ کی قبر کا پتہ دیا اسی طرح حضرت مسیحؑ کی قبر کو معدوم کہنے والوں کو مثیلِ مسیحؑ ان کی قبر کا نشان بتاتا۔ صدق اللہ و رسولہٗ فآمنا باللہ و رسولہٗ ونحن من الشاھدین۔

اسی لطیف مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

(۱) " اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تطہیر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی سے بھی عقلمندوں کی نظروں میں بخوبی ہو گئی کیونکہ آنجنابؐ نے اور قرآن شریف نے گواہی دی کہ وہ الزام سب جھوٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لگائے گئے تھے لیکن یہ گواہی عوام کی نظر میں نظری اور باریک تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کے انصاف نے یہی چاہا کہ جیسا حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کرنا ایک مشہور امر تھا اور امورِ بدیہیہ مشہودہ محسوسہ میں سے تھا اسی طرح تطہیر اور بریت

بھی امورِ مشہودہ محسوسہ میں سے ہونی چاہیئے۔ سو اب اسی کے موافق ظہور میں آیا یعنی تطہیر بھی صرف نظری نہیں بلکہ محسوس طور پر ہو گئی اور لاکھوں انسانوں نے اس جسم کی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر سری نگر کشمیر میں موجود ہے۔"

(رسالہ مسیح ہندوستان میں صفحہ ۵۳)

(۲) "یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ، اور وہ حقیقت نما برہان، کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے، اس کی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ اور وہی ہے جو کسرِ صلیب اس کے ہاتھ پر ہو گی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے صلیبی واقعہ کی اصل کھل جائے گی۔ تب انجام ہوگا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہو جائے گی لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے، بلکہ محض آسمانی اسباب سے، جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ پس ضرور تھا کہ آسمان ان امور اور ان شہادتوں اور ان قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں نہ آتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہوا، ہر ایک کی آنکھ کھلے گی اور غور کرنے والے غور کریں گے کیونکہ خدا کا مسیح آ گیا۔ اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی، اور دلوں میں توجہ، اور قلموں میں زور، اور کمروں میں ہمت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائیگی۔ کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے وہ ضرور زمین کو بھی منور کرتی ہے۔ مبارک وہ جو اس روشنی سے حصہ لے اور کیا ہی سعادتمند وہ شخص ہے جو اس نور میں سے کچھ پاوے۔" (مسیح ہندوستان میں صفحہ ۶۲)

بہرحال حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر ایک راز تھا، ایک سر اور بھید تھا، ایک مخفی حقیقت تھی، جسے الٰہی نوشتوں کے مطابق خدا کے جری نے ظاہر کیا اور فرمایا ؎

ابن مریم مر گیا حق کی قسم
داخل جنت ہوا وہ محترم

اے خدا کے برگزیدہ مسیح موعود! تجھ پر بے شمار سلام۔ آہ! تاریکی کے فرزندوں نے اس آفتابِ صداقت سے دشمنی کی مگر تابکے؟ ؎

اِک ہیں جو پاک بندے اِک ہیں دلوں کے گندے
جیتیں گے صادق آخر حق کا مزا یہی ہے

## پانچواں اختلاف

باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ کا چولہ۔ اس نمبر میں دشمنِ صداقت معترض پٹیالوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف یہ "اختلاف بیانی" منسوب کرتا ہے کہ آپ نے کبھی چولہ حضرت بابا نانک رحؒ کو خدا کی طرف سے، کبھی ان کا اپنا لکھا ہوا، اور کبھی ان کے مسلمان مرشد کا عطیہ قرار دیا ہے لہذا یہ بات قابلِ اعتراض ہے۔ معترض کے اپنے الفاظ میں اعتراض پڑھ لیجئے۔ لکھا ہے:۔

"ناظرین ان متضاد عبارات پر غور کریں کہ ایک ہی چولہ ہے جو غیب سے خدا نے دیا۔ مگر ممکن ہے کہ صرف اس کی شکل غیب سے دکھائی گئی ہو اور اسی نمونہ کا کرتہ باوا نانک صاحب نے بنوا لیا ہو لیکن ایسا خیال کرنا بے ایمانی ہے۔ کیونکہ خدا کی باتیں عقل میں نہیں آسکتیں۔ لہذا یہ ضرور خدا نے خود لکھ کر عطا فرمایا۔ مگر یہ بھی بہت صحیح ہے کہ یہ چولا باوا صاحب کے مسلمان مرشد نے ان کو دیا۔ ہاں باوا صاحب نے یہ چولا خود ہی لکھا تھا اور چونکہ وہ بہادر تھے اسلیئے چولہ پر سچی سچی باتیں لکھ گئے۔ کیوں حضرات ناظرین! کیا یہ متضاد تحریریں بد ہضمی کا ایک خواب نہیں جسے اضغاث احلام کہتے ہیں سچ ہے۔ دروغگورا حافظہ نباشد" (عشرہ ص۵۹)

**الجواب** - حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بہت بڑا انکشاف اور تائیدِ اسلام

کے لئے ایک کاری حربہ ظاہر کرتے ہوئے حضرت باوا نانکؒ کا اسلام ثابت کیا۔ ان کے اقوال، احوال اور حیلہ جات کے علاوہ آپ کی آخری یادگار چولہ صاحب کو بھی اس کے ثبوت میں پیش فرمایا۔ چولہ صاحب سکھوں کے ہاں نہایت متبرک چیز سمجھی جاتی ہے اس پر جا بجا آیاتِ قرآنی مرقوم ہیں اور یہ حضرت بابا نانکؒ کے اسلام کی واضح دلیل ہے حضور علیہ السلام نے اپنی کتاب "ست بچن" میں اس موضوع پر نہایت لطیف گفتگو فرمائی ہے اور چولہ صاحب (حضرت بابا نانکؒ کے کرتہ) کا نقشہ بھی شائع فرمایا ہے۔

اس چولہ کے متعلق جو چارسو سال قبل کی ایک مقدس نشانی ہے سکھوں کے ہاں بہت عجیب داستان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سکھوں کی تاریخی شہادت کو ترجیح دیکر اس چولہ کو منجانب اللہ اور اس کی قدرت کا ایک نشان قرار دیا ہے مگر ظاہر بین اور معترض لوگوں کو سمجھانے کے لیے بعض دوسرے امکانی پہلو بھی ذکر فرماتے ہیں جس کو ہمارے مخاطب اختلاف بیانی، تضاد اور تناقض سے تعبیر کرتے ہیں افسوس! مخالفت انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور وہ ایک واضح بات کو بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:-

> "سکھوں میں یہ امر ایک متفق علیہ واقعہ کی طرح مانا گیا ہے کہ یہ چولہ صاحب جس پر قرآن شریف لکھا ہوا ہے۔ آسمان سے باوا صاحب کے لئے اُترا تھا اور قدرت کے ہاتھ سے سیا گیا۔ اور قدرت کے ہاتھ سے باوا صاحب کو پہنایا گیا۔" (ست بچن صفحہ ۳۲ طبع سوم)

ناظرین! یہ ایک تاریخی دعویٰ ہے قرآن مجید کی نص قطعی نہیں سکھوں کی جماعت کا اعتقاد ہے۔ اگر اس کی توجیہات کے لیے حضرت مسیح موعودؑ نے بعض امکانی پہلو ذکر فرمائے تو اس میں کیا غضب ہو گیا۔ ان مخالف مولویوں کے حق میں مسیح موسویؑ نے سچ فرمایا ہے کہ تم مچھر کو چھانتے اور ہاتھی کو نگل جاتے ہو۔ یہ لوگ قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں بے شمار اختلاف کریں ایک ایک آیت کے متعدد معانی اور مختلف پہلو ذکر کریں تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ بقول مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری:-

"سلف بعض آیاتِ قرآنی کے متعلق ایسے مختلف ہیں کہ بعض کسی آیت کو کسی سورت کا ٹکڑا سمجھتے ہیں اور بعض کسی کا" (اخبار اہلحدیث ۱۲ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ)

تفاسیر میں بے شمار اختلاف ہوں ہر واقعہ کے متعلق متعدد بار "یمکن" اور "یحتمل" موجود ہو۔ لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام چولا صاحب کے متعلق سکھ قوم کے دعوے کی بعض توجیہات ذکر کر دیں تو بس آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ العجب ثم العجب!

معترض نے چولا صاحب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن توجیہات کی طرف اپنے محولہ بالا الفاظ میں اشارہ کیا ہے وہ حضورؑ کے ہی الفاظ میں یوں مذکور ہیں۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:-

(الف) "بعض لوگ انگد کی جنم ساکھی کے اس بیان پر تعجب کریں گے کہ یہ چولا آسمان سے نازل ہوا ہے اور خدا نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں پر نظر کر کے کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کی قدرتوں کی کسی نے حد بست نہیں کی۔ کون انسان کہہ سکتا ہے کہ خدا کی قدرتیں صرف اتنی ہی ہیں اس سے آگے نہیں۔ ایسے کمزور اور تاریک ایمان تو ان لوگوں کے ہیں جو آجکل نیچری یا برہمو کے نام سے موسوم ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوا صاحب کو یہ قرآنی آیات الہامی طور پر معلوم ہو گئی ہوں اور اذنِ ربی سے لکھی گئی ہوں۔ لہذا بموجب آیت مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی وہ سب فعل خدا تعالیٰ کا فعل سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن آسمان سے نازل ہوا ہے اور ہر ایک ربانی الہام آسمان سے ہی نازل ہوتا ہے۔" (ست بچن صفحہ ۴۷)

(ب) "باوا صاحب کا یہ چولا صاحب آپ کو صرف مسلمان ہی نہیں بناتا بلکہ کامل مسلمان بناتا ہے۔ بعض سکھوں کا یہ جواب ہے کہ یہ چولا باوا صاحب نے ایک قاضی سے زبردستی چھینا تھا۔ یہ بہت بیہودہ جواب ہے۔ سکھوں کو اب تک خبر نہیں کہ قاضیوں کا کام نہیں کہ چولے اپنے پاس رکھیں۔ اسلام

میں چولے رکھنا اس زمانہ میں فقیروں کی ایک رسم تھی پس یہ بات بہت صحیح ہے کہ باوا صاحب کے مرشد نے جو مسلمان تھا یہ چولا ان کو دیا تھا۔ ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے بلکہ جنم ساکھیوں میں بھی لکھا ہے کہ چونکہ باوا صاحب نیک بخت آدمی تھے، اور بڑی مردانگی سے ہندوؤں سے قطع تعلق کر بیٹھے تھے، مردِ میدان بھی بڑے تھے اور ایک شخص حیات خان نامی افغان کی لڑکی سے نکاح بھی کیا تھا، اور ملتان اور چند دوسرے اولیاء اسلام کے مقبروں پر چلہ کشی بھی کی تھی، اسلیئے خدا سے الہام پاکر یہ چولا انہوں نے بنایا تھا۔ یہ ان کی کرامت ہے گویا یہ چولا آسمان سے اُترا۔" (نزول المسیح صفحہ ۲۰۴-۲۰۵)

حضرات ناظرین! ان عبارتوں پر مکرر غور فرمائیں اور معترض بٹیالوی کی عقل و فہم پر ماتم کریں کس قدر کھلی بات ہے کہ انگد کی جنم ساکھی کا ایک بیان ہے جو خود محض ایک تاریخ ہے۔ اسلیئے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرتوں کے پیش نظر ایسا ہونا محال نہیں لیکن تاہم "چولا صاحب کے آسمان سے اُترنے" کی اور بھی صورتیں ممکن ہیں کیونکہ فانی فی اللہ انسان کا کام یا خدا کے الہام کے مطابق کیا گیا کام خدا ہی کا کام اور کلام کہلاتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ⁂ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

لہذا ہو سکتا ہے کہ حضرت بابا نانکؒ نے الہام پاکر خود چولہ ارشادِ الٰہی کے مطابق بنایا ہو یا ان کے مرشد نے آسمانی رہنمائی سے ایسا کیا ہو۔ جو بھی صورت ہوگی بہرحال اللہ تعالیٰ کے الہام سے ہی وقوع پذیر ہوگی۔ اسلیئے اس کو حسب منطوق آیت وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اور وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ آسمان سے اُترا ہوا کہنا جائز ہے۔

گویا تین صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں (۱) یہ چولہ بعینہٖ آسمان سے اُترا ہو (۲) بابا صاحبؒ نے حسبِ الہام خود تیار کیا ہو (۳) بابا صاحبؒ کے مسلمان مرشد نے بارشادِ خداوندی آپ کو دیا ہو۔ ان ہر سہ صورتوں کو "ممکن" قرار دینے سے اعتراض بے جا ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ عقلی طور پر آسمان سے اُترنے کی یہی توجیہہ ہوا کرتی ہے اور یہی آسمانی کتب کا محاورہ ہے

پس حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کو دشمن نے قابلِ اعتراض بتایا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزگیٔ قلب اور راستبازی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ آپؑ نے محض اسلئے کہ سکھوں کی تاریخ کا یہ بیان ہے اس کو ٹھکرا نہیں دیا بلکہ اوّل ایک کامل موحّد کی حیثیت میں یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے رُو سے ممکن بتائی اور پھر ایک عارف باللہ کی حیثیت میں اسکی توجیہہ فرمائی تا کہ مخالف بھی اس دعویٰ کی تغلیط نہ کر سکیں۔ گویا نیچریوں کے اعتراض کو بھی دُور کر دیا اور حقیقتِ حال بھی ذکر کر دی۔ ایسے مجمل کلام (یعنی انگد کا بیان) میں تاویل کا دروازہ کھلا ہوتا ہے۔ کیونکہ اوّل تو یہ دعویٰ الہامی نہیں جو قطعی ہو۔ دوم اس کی تاویل کی ضرورت بھی ہے۔ آہ! وہی بات جو ایک متقی اور مومن کے دل کو اپیل کرتی ہے اسی کو دیکھ کر معاند معترض بن جاتے ہیں ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب
ورنہ قبلہ تھا ترا رُخ کافر و دیندار کا

**چھٹا اختلاف** **نزولِ حضرت مسیح علیہ السلام**۔ اس عنوان کے نیچے معترض پٹیالوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پانچ تحریرات درج کی ہیں اور بزعمِ خویش اس کو اختلافات کے چھٹے نمبر پر رکھا ہے۔ حالانکہ ان سے منشی صاحب کا مطلب ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ دیکھئے۔

(الف) پہلی عبارت آپ نے براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۹ سے مثیل کی اور مسیح کی دوبارہ آمد والا حوالہ ذکر کیا ہے۔ اس حوالہ کے متعلق ہم قبل ازیں بحث کر چکے ہیں اس جگہ صرف ایک حوالہ درج کرنا کافی ہے جو حضورؑ نے خود تحریر فرمایا ہے:۔

"مَیں نے براہین میں جو کچھ مسیح بن مریم کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر لکھا ہے وہ ذکر صرف ایک مشہور عقیدہ کے لحاظ سے ہے جس کی طرف آجکل ہمارے مسلمان بھائیوں کے خیالات جھکے ہوئے ہیں۔ سو اسی ظاہری اعتقاد کے لحاظ سے مَیں نے براہین میں لکھ دیا تھا کہ مَیں صرف مثیل موعود ہوں اور میری خلافت صرف روحانی خلافت ہے لیکن جب مسیح آئے گا تو اس کی ظاہری اور

جسمانی دونوں طور پر خلافت ہوگی۔ یہ بیان جو براہین میں درج ہو چکا ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں وہ بغیر بلائے نہیں بولتے، اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے، اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی دلیری نہیں کر سکتے۔ الخ"

(ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۱۹۷-۱۹۸)

اس حوالہ کی موجودگی میں براہین کا حوالہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ فلا اشکال فیہ۔

(ب) حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری عبارت معترض نے بایں الفاظ درج کی ہے:۔

"مسیح کی وفات، اس کے عدم نزول اور اپنے مسیح ہونے کے الہام کو میں نے دس سال تک ملتوی رکھا بلکہ اس کو رد کر دیا اور حکم واضح اور صریح کا منتظر رہا

حمامۃ البشریٰ صفحہ ۱۳" (عشرہ صفحہ ۶)

**الجواب** نفس اعتراض کے متعلق تو پہلے بحث ہو چکی ہے۔ ہاں اس جگہ ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ معترض نے نہایت خیانت سے کام لیکر فقرہ "بلکہ اس کو رد کر دیا" اپنی طرف سے ایزاد کر کے حضرتؑ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ حمامۃ البشریٰ میں حسب ذیل عبارت ہے:۔

"ثم ما استعجلت فی امری ھذا بل اخرتہ الیٰ عشر سنۃ بل زدت علیہا وکنت لحکم واضح وامر صریح من المنتظرین"۔ صفحہ ۱۳

**ترجمہ**۔ پھر میں نے اپنے اس معاملہ میں جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ اس کو دس سال بلکہ زیادہ عرصہ تک تاخیر میں رکھا اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی واضح حکم اور صریح فرمان کا منتظر تھا"

گویا آپؑ نے اس دعویٰ مسیحیت وغیرہ میں جلدی سے کام نہیں لیا بلکہ حسب سنت انبیاء اللہ تعالیٰ کی صاف اور واضح وحی کے بعد یہ دعویٰ فرمایا لیکن اس عبارت میں کسی جگہ مذکور نہیں کہ آپؑ نے اس الہام کو "رد کر دیا"۔ یہ سراسر کذب بیانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے فرمایا تھا اِنِّی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ

اِهَانَتَكَ کہ میں اس کو رسوا کروں گا جو تجھے ذلیل کرنا چاہے۔ معترض پٹیالوی نے حضرتؑ کے کلام میں بزعم خود "اختلاف بیانی" ثابت کرنی چاہی لیکن کذب بیانی کے باعث خود ذلیل ہوگیا۔ اب معترض مذکور اور اس کے تمام ہمنواؤں کا فرض ہے کہ "حمامۃ البشریٰ" سے یہ فقرہ دکھائیں ورنہ ہماری طرف سے صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین کا وجد سن رکھیں۔

(ج ۔ د ۔ ہ) یہ تینوں حوالجات "ازالہ اوہام" سے ماخوذ ہیں جہاں حضرتؑ نے لکھا ہے کہ:۔

(۱) "میرا یہ دعویٰ نہیں کہ دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہ ہوگا ممکن ہے کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں بھی کوئی مثیل پیدا ہو جاوے۔" (صلہ ۱۹ [۱])

(۲) "میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں۔" (صنہ ۱۵)

(۳) "بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت و بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ الخ" (صنہ ۱۵)

اِن عبارتوں کے بعد معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"جب یہ بات ہے تو پھر اپنے نہ ماننے والوں پر جگہ جگہ بے فائدہ زہر کیوں اُگلا ہے۔" (عشرہ صنہ ۹)

**الجواب** ۔ اِن حوالجات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک آپؑ کے بعد بھی مثیل مسیح آسکتے ہیں وبس۔ اِس عام قانون سے کس کو انکار ہوسکتا ہے خود حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرما چکے ہیں ؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار

خود ازالہ اوہام میں اس قسم کے مثیل ہونے کو ایک عام قانون بتاتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہمارے بعد کوئی اور بھی مسیح کا مثیل بن کر آوے کیونکہ

---

[۱] ازالہ اوہام صنہ ۱۹۱ پر یہ حوالہ نہیں ہے ہاں صلہ ۱۹۹ پر مذکور ہے۔ (ابوالعطاء)

نبیوں کے مثیل ہمیشہ دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی۔" (ص۱۵۵ طبع اول)

پس متذکرۃ الصدر حوالجات میں خدا تعالیٰ کے ایک عام قانونِ قدرت کی تشریح کی گئی ہے وبس۔ باقی رہا یہ سوال کہ "جب یہ بات ہے تو پھر اپنے نہ ماننے والوں پر جگہ جگہ بے فائدہ زہر کیوں اُگلا گیا ہے۔" سو اس کا اس جگہ کوئی تعلق نہیں مثیل مسیح ہزاروں ہوا کریں مگر اس سے موعود مسیح کا نہ ماننا تریاق نہیں بن سکتا۔ خدا کے مسیح موعود کو قبول نہ کرنا بہرحال ایک زہر ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحبؑ نے متعدد مقامات پر اس زہر کی حقیقت واشگاف فرمائی تو اس میں ہرج کیا ہے؟ معترض نے جو حوالجات ذکر کئے ہیں ان میں سے اوّل الذکر حوالہ کے ساتھ ہی ایک فقرہ درج ہے جو خود بخود اس اعتراض کو حل کر دیتا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہاں اس زمانہ کے لئے مَیں مثیلِ مسیح ہوں اور دوسرے کی انتظار بے سُود ہے۔" (ازالہ اوہام طبع اول ص۱۹۹)

اسی کتاب میں دوسری جگہ تحریر فرمایا ہے ؎

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم ÷ عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم ص۱۵۸

موعودم و بحُلیۂ ماثور آمدم ÷ حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

رنگم چو گندم است بمو فرق بیّن است ÷ زانساں کہ آمد است دراخبارِ سرورم ص۱۵۷

غرض معترض کے پیش کردہ ہر سہ حوالجات میں سے کوئی بھی مخالفین کے لئے مفید نہیں اور ان کو بطور "اختلافِ بیانی" پیش کرنا تو سراسر نادانی ہے۔

## ایک دوسری شق کا جواب

ممکن ہے کہ معترض کا منشاء ان حوالوں کے پیش کرنے سے یہ ہو کہ گویا نعوذ باللہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت مسیح ناصریؑ کے دوبارہ نزول کو بھی ممکن قرار دے رہے ہیں تو یہ سخت مغالطہ دہی ہوگی کیونکہ جس جگہ سے یہ حوالجات منقول ہیں اسی کے ساتھ بطور وضاحت حضرت اقدسؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"ہاں ان کی یہ خاص مراد کشفاً والہاماً وعقلاً وفرقاناً مجھے پوری ہوتی نظر نہیں آتی

کہ وہ لوگ سچ مچ کسی دن حضرت مسیح بن مریم کو آسمان سے اُترتے دیکھ لیں گے۔ سو انہیں اس بات پر ضد کرنا کہ ہم تب ہی ایمان لائیں گے کہ جب مسیحؑ کو اپنی آنکھوں سے آسمان سے اُترتا ہوا مشاہدہ کریں گے یہ ایک خطرناک ضد ہے۔" (ازالہ اوہام پہلا ایڈیشن صفحہ ۲)

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حضرتؑ کے بعد بھی مثیلِ مسیح بلکہ دیگر انبیاء کے مثیل بھی آتے رہیں گے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام "موعود مسیح" ہیں اور آپ کا ماننا ازبس ضروری ہے۔ ان عبارتوں میں نہ کوئی تضاد ہے نہ تعارض ۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

## ساتواں اختلاف

ڈاکٹر عبدالحکیم خان کی تفسیر۔ اس جگہ معترض پٹیالوی نے ڈاکٹر پٹیالوی کی تفسیر کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس کی نسبت پہلے مرزا صاحبؑ نے فرمایا "نہایت عمدہ ہے، شیریں بیان ہے، نکاتِ قرآنی خوب بیان کئے ہیں، دل سے نکلی اور دلوں پر اثر کرنے والی ہے۔"

بعد میں اخبار بدر ۲۰ جون ۱۹۰۶ء میں لکھا:۔

"ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا تقویٰ صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس کی تفسیر میں ایک ذرہ روحانیت نہیں اور نہ ظاہری علم کا کچھ حصہ ہے۔"

اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ "میں نے اس کی تفسیر کو کبھی نہیں پڑھا۔"

ان تینوں اقتباسات کے بعد معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

"اگر کبھی نہیں پڑھا تو پہلی اور پچھلی رائے کس طرح قائم کر دی غرض تینوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔" (عشرہ صفحہ ۹۱)

**الجواب** ۔ اس اعتراض کے دو حصے ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب اس تفسیر کو پڑھا نہیں تو اس کے متعلق کوئی رائے کس طرح قائم کر سکتے ہیں۔ دوم

ان دوؔ آراء میں اختلاف کیوں ہے ؟

حصّہ اوّل کا جواب یہ ہے کہ بے شک آپ نے اس تفسیر کو نہیں پڑھا اور طبع ہونے کے بعد ملاحظہ نہیں فرمایا۔ لیکن تاہم اس کے متعلق رائے قائم کرنے کا آپؑ کو حق تھا۔ کیونکہ خود ڈاکٹر عبدالحکیم بعد ارتداد لکھتا ہے :۔

"خود مولوی نورالدین صاحب بھی جو جماعت احمدی میں اسلام کا ایک عملی نمونہ ہیں ان ایام میں جبکہ مَیں تفسیر القرآن بغرض اصلاح حضرت مرزا صاحب اور آنجناب کو سُنایا کرتا تھا فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کو تو بس وفاتِ مسیح کی بحث سُنا دیا کرو۔" (الذکر الحکیم ۲ ص ۲)

معلوم ہؤا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی تفسیر کو سُنا تھا یا کم از کم اس کے بعض مقامات ضرور سُنے تھے۔

پھر ڈاکٹر مذکور حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے خط مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۰۶ء میں لکھتا ہے :۔

"جن ایّام میں مرزا صاحب کو مَیں تفسیر القرآن سُنایا کرتا تھا آپ کو بھی یاد ہوگا کہ تمام تفسیر میں مرزا صاحب نے کسی ایک مقام پر بھی نہ تو کوئی اصلاح کی نہ کوئی خاص نکتہ معرفت بتایا۔ آپ نے بے شک بعض غلطیاں بھی درست کیں اور بعض نئے نکات بھی بتائے۔" (الذکر الحکیم ۲ ص ۵۳)

بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر عبدالحکیم کی تفسیر کو سُنا تھا اسلئے آپ اس کے متعلق رائے ظاہر کرنے کا حق رکھتے تھے۔ غرض یہ بھی درست ہے کہ آپؑ نے اس تفسیر کو نہیں پڑھا کیونکہ طباعت کے بعد آپؑ نے اس کو نہ دیکھا اور نہ پڑھا۔ ہاں خود ڈاکٹر مذکور نے قبل طباعت بغرض اصلاح اس کے بعض مقامات حضورؑ کے گوش گذار کئے۔ اور ظاہر ہے کہ تفسیر کو سُن کر بھی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ فلا اعتراض۔

## اعتراض کا دوسرا حصّہ

اب رہا یہ سوال کہ تفسیر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دوؔ مختلف رائیں کیوں ظاہر کیں ؟ اِس

کے کئی جواب ہیں :-

اوّل۔ تفسیر کے متعلق حضرتؑ کی جو رائے "نہایت عمدہ ہے، شیریں بیان ہے" کے الفاظ میں مذکور ہے اس کے لئے معترض پٹیالوی نے کوئی حوالہ نہیں دیا تا کہ پردہ دری نہ ہو جائے اصل بات یہ ہے کہ یہ رائے خود ڈاکٹر عبد الحکیم خاں نے مرتد ہونے کے بعد اپنے رسالہ الذکر الحکیم ۵ صفحہ ۵۲ میں اپنی ہی روایت سے درج کی ہے جو ہرگز شائستہ التفات نہیں۔ وہ اسی رسالہ میں متعدد کذب بیانیاں کر چکا ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے اِذَا جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ الآیۃ۔ کہ فاسق کی خبر پر اعتماد مت کرو۔ پس جواب اوّل تو یہی ہے کہ رائے اوّل کے متعلق کوئی سند، کوئی حوالہ، کوئی ثقہ روایت پیش کرو۔ جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو یہ دعویٰ پایۂ اعتبار سے گرا ہوا ثابت ہوا اور اختلاف کا کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔

دوم۔ بطریق تنزل اگر ہم تسلیم کر لیں کہ حضورؑ نے فی الواقع یہی الفاظ فرمائے تھے تب بھی کوئی ہرج نہیں کیونکہ ایک مبتدی کی حوصلہ افزائی کے لئے ایسا کہہ دیا جاتا ہے۔ دیکھیئے انصار کے دو لڑکے ابو جہل کے قتل کے بارہ میں تنازع کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا :-

"کلاکما قتلہ"

تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ علامہ کرمانی اس پر فرماتے ہیں :-

"انما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلاکما قتلہ تطییباً لقلب الاٰخر من حیث ان لہ مشارکۃً فی قتلہ"

(کرمانی بر حاشیہ بخاری مجتبائی صفحہ ۴۴۴)

کہ آنحضرتؐ نے دوسرے لڑکے کے دل کو خوش کرنے کے لئے فرما دیا کہ تم دونوں نے اسکو قتل کیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اگر چہ وہ قاتل نہ تھا مگر اس کو بھی کچھ شرکت حاصل تھی"!

اب صاف بات ہے کہ ڈاکٹر عبد الحکیم حضرتؑ کو تفسیر کے بعض حصص سناتا ہے جیسا کہ نیک لوگوں کا قاعدہ ہے ان کی نگاہ صرف خوبیوں پر ہوتی ہے اور یوں حوصلہ افزائی بھی

ضروری ہوتی ہے۔ اگر حضرت اس کے متعلق تعریفی الفاظ فرما دیں تو اس میں کونسا اعتراض ہے۔

**سوم۔** ڈاکٹر عبدالحکیم کے رسالہ الذکر الحکیم ملا ۲ کی متذکرہ صدر عبارت سے واضح ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "وفات مسیح کی بحث" وغیرہ مقامات سُنایا کرتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان مقامات کو سُن کر اس کی تعریف فرمائی لیکن جو حصے قابلِ اعتراض تھے ان پر علم پانے کے بعد آپؑ نے اس رائے کو بدل دیا۔ گویا پہلی رائے ان حصص کے متعلق ہے جو اس نے خود حضرت اقدسؑ کو سُنائے اور وہی حصے تھے جن میں بالعموم وفات مسیح وغیرہ کا ذکر تھا۔ اور دوسری رائے ان مقامات کی بناء پر ہے جن پر حضورؑ کو بعد از ال بعض خدام کے ذریعہ مطلع کیا گیا۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ دُودھ میں تھوڑی یا بہت گندگی ملا دینے سے سارا دودھ گندہ ہو جاتا ہے۔ پس اندریں صورت بھی اختلاف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لولا الحیثیات لبطلت الحکمۃ۔

**چہارم۔** ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فی الواقع ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی تفسیر کے متعلق دو مخالف خیال ظاہر فرمائے ہیں مگر کیوں ؟ صرف اسلیئے کہ اسکی حالت بدل گئی تھی۔ ایک مومن ہے اس کے متعلق ہمارا آج ایک خیال ہے کل وہ کافر ہو جاتا ہے تو یقیناً ہمارا خیال بدل جائے گا۔ وبالعکس بلعم باعور جب نیکی پر قائم تھا تو اسکے متعلق اَور خیال تھا اور جب اُس نے گمراہی اختیار کی تو اَور خیال ہوا۔ خود قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۔ الآیۃ (الاعراف ع ۲۲)

ترجمہ۔ "ان پر اس شخص (بلعم بن باعور) کی خبر پڑھ جس کو ہم نے اپنی آیات دیں۔ پھر وہ ان سے پھسل گیا۔ شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور وہ گمراہ ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اس کا بذریعہ آیات رفع کرتے مگر وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اس نے اپنی نفسانیت کی پیروی کی۔"

گویا جو بلعم کل تک آیات والہاماتِ الٰہی کا مورد تھا آج موسیٰؑ کے مقابلہ کے باعث راندہ درگاہ

بن گیا۔ غرض حالات کے بدل جانے سے رائے کا بدل جانا نہ صرف محل اعتراض نہیں بلکہ ایسا ہونا از بس ضروری ہے۔ اب غور فرمائیے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس تفسیر کی تعریف فرمائی اس کی کیا حالت تھی۔ ہم ڈاکٹر عبدالحکیم کے اپنے الفاظ میں اس کی تغیر کی دونوں حالتوں کو درج ذیل کرتے ہیں :-

## پہلی حالت

"میں نے حضور کی تائید میں جو ناچیز خدمت کی وہ یہ ہے کہ تقریباً چھ ہزار روپیہ صرف کر کے قرآنی تفاسیر اُردو و انگریزی میں شائع کی جس میں حضور (حضرت مسیح موعودؑ) کے متعلق تمام تائیدی مضمون جو مختلف کتابوں میں شائع ہوئے موقعہ بموقعہ درج کئے گئے ہیں۔ میری رائے میں احسن طریق کسی اسلامی خدمات کا یہی ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ علی التناسب اس کو پیش کیا جائے۔ . . . . لوگوں نے مجھے یہ بھی نصیحت کی اور خطوط بھی بکثرت آئے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس میں سے مضامین نکال دیئے جائیں تو اس تفسیر کی اشاعت ہزاروں تک پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ بعض مسلمان مشنریوں نے اپنی زندگی انکی امداد میں وقف کرنی ظاہر کی مگر میں نے توکل بخدا ان تمام باتوں کو نظر انداز کیا۔

## دوسری حالت

"میں اس تاریخ سے اپنی بیعت واپس لیتا ہوں۔ میری تفاسیر اور تذکرۃ القرآن میں جو مضامین مرزا صاحب کے متعلق شائع ہو چکے ہیں ان کو مشکوک سمجھا جاوے۔ اگر مرزا صاحب نے موجودہ زیادتیوں کی اصلاح نہ کی اور توبہ شائع نہ کی تو آئندہ میں ان تمام مضامین کو اپنی تفاسیر میں سے نکال دوں گا"

(الذکر الحکیم ۲ صہ ۴۹)

اور خلاف ایمان کوئی بات نہیں
کی" (الذکر الحکیم ۱۳ ص ۱۳)

دیکھئے ایک وقت میں عبدالحکیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق تمام مضامین وفات مسیح، عدم رجوع موتیٰ، اور دلائل صداقت وغیرہ کو تفسیر میں موقعہ بموقعہ درج کر کے اسکو "اسلامی خدمت" قرار دیتا ہے اور ان کے نکالنے کو "خلاف ایمان" کہتا ہے مگر پھر خود ان کو نکال دیتا ہے۔ اور محض ضد میں آکر ان تمام آیات کی غلط اور خود تراشیدہ تفسیر شائع کرتا ہے۔ کیا اندریں حالات اور ان تغیرات کے باوجود تبدیلی رائے ضروری نہ تھی؟ یقیناً ضروری تھی۔ پس اس کو اختلاف بیانی بتانا حماقت اور کھلی مغالطہ دہی ہے۔

ہمارے ان جوابات سے حق پسند ناظرین پر بخوبی روشن ہوگیا ہے کہ معترض پٹیالوی جس راستے پر قدم زن ہے وہ تحقیق اور حق جوئی کا راستہ نہیں بلکہ محض عداوت کا طریق ہے منشی صاحب ! سہ

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کایں راہ کہ تو میروی بترکستان است

## آٹھواں اختلاف

حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق۔ اس عنوان کے تحت منشی محمد یعقوب صاحب نے تریاق القلوب ص ۱۵۷ کا حوالہ دربارہ جزئی فضیلت درج کیا ہے اور ریویو جلد اول نمبر ۶ کے اقتباس متعلق فضیلت کلی کا ذکر کیا ہے۔ نیز حقیقۃ الوحی ص ۱۵۰ کا فقرہ "خدا نے چاہا کہ مجھے اس (مسیح) سے کم نہ رکھے" تحریر کر کے اعتراض کیا ہے کہ :-

"پہلے حوالہ (حقیقۃ الوحی والے) میں آپ حضرت مسیح علیہ السلام کے برابر بنتے ہیں، دوسرے میں اُن پر جزئی فضیلت کے مدعی ہیں اور تیسرے میں ہر طرح سے افضل بن گئے۔ اور جب اِن اختلافات کی وجہ دریافت کی گئی تو لکھدیا کہ مَیں نے یہ سب کچھ خدا کے حکم سے کہا ہے اس کی وجہ خدا سے ہی پوچھو کہ کیوں اُس نے مجھے مسیح پر فضیلت دیدی الخ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹ تا ۱۵۰۔ کیا اچھا جواب

ہے! کلام متناقض آپ کریں اور اس کا جواب دہ ہو خدا تم۔ خدا تعالیٰ نے تو فرما دیا ہے کہ لو کانَ مِن عندِ غیرِ اللہِ۔" (عشرہ صفحہ ۹۱)

**الجواب** ۔ سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ معترض نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۱ کے فقرہ "خدا نے چاہا کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے" سے بالکل غلط استدلال کیا ہے کہ حضور نے اس میں مسیح سے برابری کا دعویٰ کیا ہے۔ معترض پٹیالوی کو یہ دجل اس لئے اختیار کرنا پڑا تا وہ عوام کو یہ بتا دے کہ پہلے مسیح کے برابر ہوئے، جزئی فضیلت کا دعویٰ کیا اور آخر کلی فضیلت کا اِدّعا کر دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ کا مطلب دعویٰ مساوات نہیں بلکہ اس جگہ تو ذکر ہی فضیلتِ تامہ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ "کم نہ رکھنے" کے دو مطلب ہو سکتے تھے۔ برابر کر دیا، افضل بنا دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اس عبارت میں "کم نہ رکھنے" سے کیا مراد ہے سو اس کے لئے اسی صفحہ کا یہ فقرہ نہایت واضح تشریح ہے کہ :-

"خدا دکھلاتا ہے کہ اس رسولؐ کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح ابن مریم سے بڑھ کر ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۱)

پس یہ بات تو حل ہو گئی کہ مسیح سے فضیلت و عدمِ فضیلت ہی مابہ النزاع ٹھہر سکتی ہے مساوات والی تیسری صورت یہاں موجود نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر دو ہی زمانے آئے ہیں۔ اوّل جب آپؑ حضرت مسیح کو بوجہ ان کی نبوت کے اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اپنے نفس کو محض جزئی فضیلت دیتے تھے۔ دوم جب آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی واضح تصریح کے مطابق اپنی نبوت کا کھلا اعلان فرمایا اور اپنے آپ کو مسیح پر کلی فضیلت دی۔ پس اب صرف جزئی فضیلت اور کلی فضیلت کا سوال باقی ہے ہم اس سوال پر نبوت کے دعویٰ کے ضمن میں مختصر بحث کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :-

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی

اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمتی ...... اور مَیں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسیح بن مریم آخری خلیفہ موسےٰ علیہ السلام کا ہے اور میں آخری خلیفہ اُس نبی کا ہوں جو خیر الرسل ہے اس لیئے خدا نے چاہا کہ مجھے اُس سے کم نہ رکھے۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے اُن لوگوں کو گوارا نہ ہوں گے جن کے دلوں میں حضرت مسیح کی محبت پرستش کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ مگر مَیں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ مَیں کیا کروں۔ کس طرح خدا کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں اور کس طرح اس روشنی سے جو مجھے دی گئی ہے تاریکی میں آ سکتا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میری کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ مَیں تو خدا تعالےٰ کی وحی کی پیروی کرنیوالا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا مَیں وہی کہتا رہا جو اوائل میں مَیں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو مَیں نے اس کے مخالف کہا۔ مَیں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونیکا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے۔ جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ مَیں نہیں جانتا کہ خدا نے ایسا کیوں کیا۔ ہاں میں اس قدر جانتا ہوں کہ آسمان پر خدا تعالےٰ کی غیرت عیسائیوں کے مقابل پر بڑا جوش مار رہی ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مخالف وہ توہین کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ قریب ہے کہ ان سے آسمان پھٹ جائیں۔ پس خدا دکھلاتا ہے کہ اس رسولؐ کے ادنیٰ خادم اسرائیلی مسیح بن مریم سے بڑھ کر ہیں۔ جس شخص کو اس فقرہ سے غیظ و غضب ہو اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غیظ سے مر جائے۔ مگر خدا نے جو چاہا کیا اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا انسان کا مقدور ہے کہ وہ اعتراض کرے کہ ایسا تو نے کیوں کیا؟"
(حقیقۃ الوحی ص ۱۴۹-۱۵۰)

**حضرات ناظرین!** برائے خدا انصاف بتائیں کہ کیا اس وضاحت کے بعد ان بیانات کو "اختلاف بیانی" کی مثال میں پیش کرنا دیانتداری کا تقاضا تھا؟ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام نے جزوی فضیلت کا زمانہ اور پھر اس کی وجہ بتا دی ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ آپ افضل ہیں آپ نے افضلیت کا دعویٰ فرمایا۔ گویا پہلے حضورؐ نے اپنی طرف سے توقف فرمایا مگر جب بارش کی طرح وحی نازل ہوئی تو آپ نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے مطابق اس کا اعلان فرما دیا۔ ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ۔ جو یونسؑ سے فضل اور بہتر ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کی وحی نے آپ کو خاتم النبیین قرار دیا تو آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (ابن ماجہ) لَوْ کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ لَمَا وَسِعَھُمَا اِلَّا اتِّبَاعِیْ (الیواقیت والجواہر) کہ میں سب آدمزادوں کا سردار ہوں۔ اگر آج موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو میری تابعداری کے سوائے اُن کے لیئے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اب اگر کوئی اس کا نام اختلاف بیانی رکھ سکتا ہے تو وہ شوق سے حضرت مسیح موعودؑ کے ہر دو بیانات کے نام بھی تضاد اور تناقض قرار دے۔ مگر یہ قول کسی عقلمند کا نہیں ہو سکتا اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ۔

پھر دیکھیے جب تک بقول حافظ امام ابن حجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن صیاد کے متعلق انکشاف نہیں ہوا حضورؐ نے اس کے متعلق تردد اختیار فرمایا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"آنحضرت صلعم در حقِ وے (ابن صیاد) قول مردّد گفتہ و فرمودہ ان یکن ھو وایں تردد اوائل قدوم او بمدینہ بود وچوں تمیم داری او را خبر کرد جزم فرمود بانکہ دجّال ہماں محبوس است کہ تمیم او را دیدہ وحدیث او بیا بدو حلفِ عمرؓ نزد رسولِ خدا صلعم مبنی بر ظن اوست۔ و سکوتِ آنحضرت صلعم بجہت آں بود کہ وے دراں وقت متردّد بود۔" (حجج الکرامہ ص۴۲۱)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کے بارے میں پہلے شک کا کلام فرمایا اسی لئے کہا کہ اگر یہ دجال ہے۔ حضورؐ کا یہ کلام مدینہ آنے کے شروع کا ہے۔ جب تمیم داری نے حضورؐ کو خبر دی تو حضورؐ نے یقین فرما لیا کہ دجال وہی ہے جسے تمیم داری نے جزیرہ میں محبوس دیکھا ہے۔ حضورؐ نے ان کی بات بھی ذکر فرما دی۔ حضرت عمرؓ کا حضورؐ کے سامنے ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم اٹھانا ظن کی بناء پر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر خاموشی

اس وجہ سے تھی کہ حضورؑ اس وقت تک اس بارے میں متردد تھے۔"

(حجج الکرامہ صلا۱۴)

اب اگر کوئی شخص اس قسم کی باتوں کو "کلام متناقض" سے تعبیر کرے گا تو وہ اہل دانش کی نظر میں غلطی خوردہ یا شریر ہی کہلائے گا۔

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو فضیلت کا ذکر فرمایا ہے وہ ہرگز متناقض نہیں اسلئے کہ جزئی فضیلت آپؑ کے اپنے خیال سے تھی اور کلی فضیلت کا دعویٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح متواتر وحی کی وجہ سے تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے مخالف اتنی سی موٹی بات سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے ؎

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بے شمار

## نواں اختلاف

حضرت مسیح کے پرندے۔ اس نمبر میں معترض پٹیالوی نے حضرت اقدسؑ کی عبارتوں کے چند اقتباس دیئے ہیں اور بتایا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے حضرت مسیح کے معجزہ خلق الطیور کی مختلف تشریحیں کی ہیں۔ عمل الترب کا نتیجہ، روح القدس والے تالاب کی مٹی کا اثر، لکڑی کی کل یا کھلونا، اور "آتی وناداں لوگ مراد لیتے ہیں۔ بعض ادھورے حوالے درج کرنے کے بعد معترض لکھتا ہے:-

"ناظرین قرآن شریف کے صاف الفاظ کا مرزا صاحب کی تاویلات فاسدہ سے مقابلہ کریں۔ کیا یہ پریشان خیالیاں کسی مصلح اور پیغمبر کے دماغ سے منسوب ہو سکتی ہیں یا انہیں آسمانی تعلیمات سے کچھ بھی تعلق ہے؟"

(عشرہ صلا۱۲)

**الجواب۔** بے شک قرآن مجید میں خلق الطیور کو حضرت مسیح سے منسوب کیا گیا ہے۔ مگر جیسا کہ دوسری آیات قرآنیہ سے ظاہر ہے۔ اسے حقیقی معنوں پر محمول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (رعدع) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (فرقان ع) هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ الآیۃ (فاطر ع)

کہ صرف ایک اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، وہی قہار ہے۔ اُس نے ہر چیز کو پیدا کر کے اُس کے لیئے ایک اندازہ مقرر فرمایا۔ کیا (اے مشرکو!) خدا کے سوا بھی کوئی خالق ہے؟ یعنی ہرگز نہیں۔ ایسی ہی بیسیوں آیات شمشیر برہنہ کی طرح اس شرک آلود خیال کو پارہ پارہ کر دی ہیں کہ حضرت مسیح نے فی الواقع پرندے پیدا کیئے اور وہ حقیقی پرندے تھے۔

## مفسرین اور حضرت مسیح کے پرندے

اس حقیقت باہرہ کی موجودگی میں کون متدین انسان اس امر کا مدعی ہو سکتا ہے کہ فی الواقع حضرت مسیح حقیقی معنوں میں سچ مچ کے پرندوں کے خالق تھے؟ یہی وجہ ہے کہ جملہ مفسرین کا یہی خیال ہے کہ حضرت مسیح کے مخترعہ پرندے صرف ناظرین کی نظروں تک پرواز کرتے تھے اور او جھل ہوتے ہی مرکر پیوند خاک ہو جاتے تھے۔ اگرچہ مفسرین میں عام طور پر عجوبہ پسندی کا جذبہ غالب نظر آتا ہے مگر اس جگہ وہ بھی انتہائی مبالغہ سے رُکنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

(۱) علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔

"خَلَقَ لَهُمُ الْخُفَّاشَ لِاَنَّهٗ اَكْمَلُ الطَّيْرِ خَلْقًا فَكَانَ يَطِيْرُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَهٗ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا"

(جلالین مطبع مجتبائی صـ۴۹)

(۲) امام وہب کا قول ہے:۔

"كَانَ يَطِيْرُ مَادَامَ النَّاسُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا" (تفسیر نیشاپوری برحاشیہ ابن جریر جلد ۳ صـ۱۹۵)

(۳) علامہ ابن حیان فرماتے ہیں:۔

"تَوَاطَأَ النَّقْلُ عَنِ الْمُفَسِّرِيْنَ اَنَّ الطَّائِرَ الَّذِىْ خَلَقَهٗ عِيْسٰى كَانَ يَطِيْرُ مَادَامَ النَّاسُ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَاِذَا غَابَ عَنْ اَعْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا" (البحر المحیط جلد ۲ صـ۴۶۶)

گویا سب مفسر یہی تاویل کرتے ہیں کہ وہ مصنوعی پرندہ لوگوں کے سامنے ان کی نظر کی حد تک ہی اُڑتا تھا اس کے بعد گر کر مر جاتا تھا۔ کیا ہمارے منصف بھائیوں کے لیئے اس میں سبق نہیں؟ کیا وجہ ہے کہ مفسرین کو خلق الطیور کی یہ تاویل کرنی پڑی۔ کیوں انہوں

نے حقیقی پرندے اور طبعی حیات پانے والے پرندے نہیں تسلیم کئے ؟ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی طور پر کسی کا خالق من دون اللہ ہونا ناممکن، محال، اور ممتنع ہے۔ پرندے تو بڑی چیز ہیں انسان ایک کیڑے کا پاؤں اور مکھی تک بنانے سے عاجز ہیں معبودانِ باطلہ کی شان میں فرمانِ خداوندی ہے۔ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ۔

اس جگہ ہم معترض بٹیالوی اور اس کے تمام ہمنوا دیو بندیوں سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر خلق الطیور کی تاویل جرم ہے، گناہ ہے، موجب کفر ہے تو ان تمام مفسّرین کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ اگر اصل الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے تفصیل کے متعلق تاویل کی اجازت ہے تو حضرت مرزا صاحب کا کیا قصور ہے ؟ کیا یہ وہی طریق نہیں جو تمام مفسّرین نے اختیار کر رکھا ہے یعنی تاویل۔ پس اگر یہ گناہ ہے تو ع

ایں گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

حضرت مرزا صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ :-

"یہ اعتقاد بالکل غلط اور فاسد اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیحؑ مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔"

(عشرہ صفحہ ۲۶ بحوالہ ازالہ اوہام)

کیا تمہارے اہلِ فہم اور زیرک مفسّرین میں سے ایک بھی ہے جو مسیحؑ کے بنائے ہوئے جانوروں کو "سچ مچ کے جانور" تسلیم کرتا ہو؟

## معجزاتِ عیسوی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام

معترض کا اس اعتراض سے ایک منشا یہی ہے کہ گویا حضرت مرزا صاحبؒ حضرت مسیحؑ کے معجزات کے ہی منکر تھے۔ اس قدر تو سچ ہے کہ حضورؑ ان معجزات کو شرک کی ملونی والی صورت میں تسلیم نہیں کرتے اور نہ کوئی موحّد انسان ایسا مان سکتا ہے لیکن مطلق معجزات کے منکر ہرگز نہیں۔ ذیل میں اس کے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں :-

(الف) "ایک صاحب ہدایت اللہ نام جنہوں نے انکار معجزات عیسوی کا الزام اس عاجز کو دیکر ایک رسالہ بھی شائع کیا ہے وہ اپنے زعم میں ہماری کتاب ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ گویا ہم نعوذ باللہ سرے سے حضرت

مسیح علیہ السلام کے معجزات سے منکر ہیں۔ مگر واضح رہے کہ ایسے لوگوں کی اپنی نظر اور فہم کی غلطی ہے۔ ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کے صاحب معجزات ہونے سے انکار نہیں۔ بے شک ان سے بھی بعض معجزات ظہور میں آئے۔" (شہادۃ القرآن ص۳۸)

(ب) "مخالف لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے خالق طیور اور محی اموات ہونے کا منکر ہے اور اس کو نہیں مانتا۔ مگر میرا جواب یہ ہے کہ میں حضرت مسیح کے اعجازی احیاء اور اعجازی خلق کو مانتا ہوں۔ ہاں اس بات کو نہیں مانتا کہ حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کی طرح حقیقی طور پر کسی مُردہ کو زندہ کیا ہو یا حقیقی طور پر کسی پرندہ کو پیدا کیا ہو۔ کیونکہ اگر حقیقی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کے مُردہ زندہ کرنے اور پرندہ پیدا کرنے کو تسلیم کیا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ کی خلق اور اس کا احیاء مشتبہ ہو جائے گا۔ مسیح علیہ السلام کے پرندوں کا حال عصائے موسیٰ کی طرح ہے جیسے وہ سانپ کی طرح دوڑتا تھا مگر ہمیشہ کے لئے اس نے اپنی اصلی حالت کو نہ چھوڑا تھا۔ ایسا ہی محققین نے لکھا ہے کہ مسیح کے پرندے لوگوں کے نظر آنے تک اُڑتے تھے لیکن جب نظر سے اوجھل ہو جاتے تو زمین پر گر پڑتے اور اپنی پہلی حالت پر آ جاتے تھے۔" (حمامۃ البشریٰ ص۹۰)

(ج) "واضح ہو کہ انبیاء کے معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) ایک وہ محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ جیسے شق القمر جو ہمارے سیّد و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور خدا تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کو دکھایا تھا۔ (۲) دوسرے عقلی معجزات ہیں جو اس خارق عادت عقل کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو الہام الٰہی سے ملتی ہے۔ جیسے حضرت سلیمانؑ کا وہ معجزہ جو صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِیۡرَ ہے جس کو دیکھ کر بلقیس کو ایمان نصیب ہوا۔ اب جاننا چاہیئے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت مسیح کا معجزہ حضرت سلیمانؑ کے معجزہ کی طرح صرف عقلی تھا۔" (ازالہ اوہام

(حاشیہ ازالہ اوہام ص۳۰۲)

ناظرین! ان ہر سہ عبارات سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت مسیح کے معجزۂ خلق الطیور کا انکار نہیں۔ انکار جس چیز کا ہے وہ اس کی مشرکانہ صورت اور تشریح ہے۔ آخری اقتباس میں حضور نے اس کو عقلی معجزات کی ذیل میں شمار فرمایا ہے اور یہ صورت اُس زمانہ کے مطابق تھی۔ معجزات ہمیشہ زمانہ کے حالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔

## حضرت مسیح کے معجزات اور اُس وقت کی حالت

جب حضرت مسیح مبعوث ہوئے اُس وقت یہود میں طب اور دیگر شعبدہ بازی وغیرہ کے کام بہت رائج تھے اسلئے اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ایسے معجزاتِ عقلیہ ظاہر فرمائے جن سے یہود کی طب اور دیگر امور مغلوب ہو گئے۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی اپنی شہرہ آفاق کتاب "تلویح" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وقد حقق فی الکتب الکلامیۃ ان معجزۃ کلّ نبی بما یتباھی بہ قومہ بحیث لا یتصورا لمزید علیہ کالسحر فی زمن موسیٰ علیہ السلام والطب فی زمن عیسیٰ علیہ السلام والبلاغۃ فی زمن سیّدنا محمّد علیہ السلام۔"

ترجمہ۔ علم کلام کی کتابوں میں بالتحقیق بتایا گیا ہے کہ ہر نبی کو اسی رنگ کا معجزہ دیا گیا جس پر اس کی قوم کو فخر تھا۔ اور اس کیفیت وکمیت کی صورت میں دیا گیا جس پر زیادتی ناممکن تھی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں سحر اور جادو تھا، اور حضرت مسیح کے وقت میں طب تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر بلاغت تھی۔" (تلویح شرح توضیح مطبوعہ مصر جلد اوّل ص۵۲)

سلسلہ احمدیہ کے اشد مخالف مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے بھی لکھا ہے:۔

"خدا تعالیٰ کی قدیم سے عادت ہے کہ ہر زمانہ میں اس قسم کے معجزات و خوارق منکرین کو دکھاتا ہے جو اُس زمانہ کے لئے مناسب ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں سحر کا بڑا زور تھا اس لیئے ان کو ایسا معجزہ دیا جو سحر کا ہم جنس یا ہم صورت تھا اور وہ سحر پر غالب آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا اسلیئے اُن کو

ایسا معجزہ دیا گیا جس نے طبیبوں کو مغلوب کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطبینِ وقت کو فصاحت کا ایسا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے سوا کسی کو اہلِ سخن نہ جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بلادِ غیر کے لوگوں کا عجم (گونگے) نام رکھتے تھے۔ الخ" (رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۲۸۹)

اس حقیقت کے پیشِ نظر اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِن الفاظ کو پڑھیئے:-

"وہ لوگ جو فرعون کے وقت میں مصر میں ایسے ایسے کام کرتے تھے جو سانپ بنا کر دکھلا دیتے تھے اور کئی قسم کے جانور تیار کر کے انکو زندہ جانوروں کی طرح چلا دیتے تھے۔ وہ حضرت مسیح کے وقت میں عام طور پر یہودیوں کے ملکوں میں پھیل گئے تھے اور یہودیوں نے ان کے بہت سے ساحرانہ کام سیکھ لئے تھے جیسا کہ قرآن کریم بھی اِس بات کا شاہد ہے سو کچھ تعجب کی جگہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دیدی ہو۔ جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا کسی پھونک مارنے کے طور پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ پرواز کرتا ہے یا اگر پرواز نہیں تو پیروں سے چلتا ہو" (ازالۂ اوہام طبع سوم صفحہ ۱۲۵ حاشیہ)

ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح کے ظاہری پرندے مانیں گے اُن کے لئے ضروری طور پر ایسی قسم کی کوئی توجیہہ کرنی پڑے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ توجیہہ فرمائی جو واقعات کے مطابق اور انسانی عقل کے موافق ہے اور پھر معجزہ بھی ہے۔ کیونکہ اِس صورت پر منجانب اللہ اطلاع دی گئی اور اس کے سامنے باقی لوگ مغلوب ہو گئے اور چونکہ وہ پرندے باتفاقِ مفسّرین عارضی اور وقتی زندگی پاتے تھے اسلیئے اس کو عمل الترب کا نتیجہ قرار دینا بھی درست ہے۔

## عمل الترب کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ سلبِ امراض کرنا یا اپنی رُوح کی گرمی جماد میں

ڈال دینا درحقیقت یہ سب عمل الترب کی شاخیں ہیں۔ ہرایک زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں۔ اور مفلوج، مبروص، مدقوق وغیرہ ان کی توجہ سے اچھے ہوتے رہے ہیں۔ جن لوگوں کے معلومات وسیع ہیں وہ میرے اس بیان پر شہادت دے سکتے ہیں کہ بعض فقرا نقشبندی وسہروردی وغیرہ نے بھی ان مشقوں کی طرف بہت توجہ کی تھی اور بعض ان میں یہاں تک مشاق گزرے ہیں کہ صدہا بیماروں کو اپنے یمین ویسار میں بٹھا کر صرف نظر سے اچھا کر دیتے تھے اور محی الدین ابن عربی صاحب کو بھی اس میں خاص درجہ کی مشق تھی۔"

(ازالہ اوہام ص ۱۲۷)

گویا عمل الترب بالذات کوئی بری چیز نہیں، ہاں جو اس کا برا استعمال کرتا ہے اور مسمریزم وغیرہ کی صورت میں اس کا ناجائز طریق اختیار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ البتہ بلند روحانیت کے لحاظ سے یہ کوئی اعلیٰ کمال نہیں اسی لیے حضرت اقدسؑ نے اپنے لیے اس کو ناپسند فرمایا ہے بلکہ حضورؑ نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے:۔

"حضرت مسیحؑ نے بھی اس عمل جسمانی کو یہودیوں کے جسمانی اور پست خیالات کی وجہ سے جو اُن کی فطرت میں مرکوز تھے باذن وحکم الٰہی اختیار کیا تھا ورنہ دراصل مسیح کو بھی یہ عمل پسند نہ تھا۔" (ازالہ اوہام ص ۱۲۷)

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیحؑ کے معجزہ خلق الطیور کو عمل الترب کہہ کر اس کی توہین نہیں فرمائی بلکہ آپؑ نے صرف اسی حقیقت کو جس کا تمام مفسّرین کو اقرار ہے ایک جدید اصطلاح "عمل الترب" کے ذریعہ بیان فرمادیا ہے۔ ایک دوسری جگہ آپؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

"اس عمل کے عجائبات کی نسبت یہ بھی الہام ہوا ھٰذا ھو الترب الّذی لا یعلمون یعنی یہ وہ عمل الترب ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ حال کے لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔" (ازالہ اوہام ص ۱۲۸ طبع سوم)

با انصاف انسان کا فرض ہے کہ حقیقت پر غور کرے اور یونہی اندھا دھند اعتراض نہ کرتا چلا جائے۔ حضرت اقدسؑ کا "عمل الترب" کے لفظ سے حضرت مسیح کے اعجازی خلق کو ردّ کرنا مدنظر نہیں بلکہ حضور تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ اُوپر عبارت درج ہو چکی ہے۔

## خرقِ عادت اور مقدورِ بشر

ممکن ہے اس جگہ کسی کو یہ وہم دامنگیر ہو کہ جب یہ معجزہ عمل الترب ہے تو پھر مقدورِ بشر ٹھہرا اسلیئے خرقِ عادت نہ رہا۔ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ بالا تصریحات کی موجودگی میں یہ وہم از خود رفع ہو جاتا ہے لیکن تاہم ذیل میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلویؒ کا ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے تا خرقِ عادت کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہو سکے۔ آپؒ فرماتے ہیں:-

"لازم نیست کہ ہر خرق عادت خارج از مطلق طاقتِ بشر مے باشد بلکہ ہمیں قدر لازم است کہ بہ نسبتِ صاحبِ خارقہ صدور آں خلافِ عادت باشد بجہۃ نقدان ادوات و آلات پس بسیار چیز است کہ ظہور آں از مقبولین حق از قبیل خرق شمردہ مے شود حالانکہ امثالِ ہماں افعال بلکہ اقویٰ و اکمل ازاں از اربابِ سحر و اصحابِ طلسم ممکن الوقوع باشد پس وقتیکہ بر حاضرانِ واقعہ ایں قدر ثابت باشد کہ صاحبِ خارق مہارت در فنِ سحر و طلسم نے دارد پس لابد صدورِ خارقہ مذکورہ علامتِ صدقِ او تواند بود و لہذا نزولِ مائدہ از معجزاتِ حضرت مسیح شمردہ مے شود بخلاف آنچہ اہلِ سحر بسیارے از اشیاء نفیسہ از جنس میوہ و شیرینی باستعانت شیاطین حاضر مے آورند" (رسالہ منصبِ امامت ص۱۸-۱۸)

مَیں سمجھتا ہوں کہ مولانا مرحوم نے ما نحن فیہ کے متعلق بھی بہت اچھا فیصلہ کر دیا ہے پس حضرت مسیحؑ کے معجزہ خلق الطیور کو عمل الترب یا لکڑی کی کل وغیرہ کے باعث قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ خارق عادت نہ تھا یا علامت صداقت حضرت مسیح ناصریؑ نہ تھا۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگرچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے تالاب کی مٹی کے امکان کو عیسائیوں پر چوٹ کے

طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ ایسا تالاب انہیں کے مسلمات میں داخل ہے۔ لیکن اگر یہ صورت واقعہ بھی ہو تب بھی خرق عادت میں شبہ نہیں۔ کیونکہ اس تالاب کی مٹی میں یہ تاثیر اور اس کا حضرت مسیح کو علم اور مہیا ہو جانا یقیناً خرق عادت ہے۔ لہٰذا معترض پٹیالوی کا اعتراض باطل ہے۔

**خلاصۂ کلام** ہم نے ضرورت کے ماتحت اس نمبر پر طویل بحث کی ہے کیونکہ اس کا ذکر اس کتاب میں کئی جگہ ہے نیز عام طور پر لوگ اس کو پیش کیا کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیحؑ کے معجزۂ خلق الطیور کو قرآنی الفاظ میں تسلیم کرنے کے بعد حسب حدیث 'لِکُلِّ اٰیَۃٍ ظَھْرٌ وَ بَطْنٌ' اس کی دو[1] تشریحیں فرمائی ہیں (۱) ظاہری۔ جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور جس کا ماحصل یہی ہے کہ بےشک وہ پرندے بن گئے تھے مگر حقیقی نہ تھے۔ بلکہ یا تو عمل الترب کا نتیجہ تھے یا پھر کسی کَل وغیرہ کی وجہ سے تھے جس کی حضرت مسیح کو مجانب اللہ تعلیم کی گئی تھی۔ (۲) باطنی۔ اس تشریح میں آپؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔

> "چونکہ قرآن شریف اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے اسلئے ان آیات کے روحانی طور پر یہ معنی بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی کی چڑیوں سے مراد وہ اُمّی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسٰی نے اپنا رفیق بنایا۔ گویا اپنی صحبت میں لیکر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی جس سے وہ پرواز کرنے لگے۔" (ازالۂ اوہام طبع سوم صفحہ ۱۲۵-۱۲۶)

گویا دونوں تشریحات ہو سکتی ہیں۔ ظاہری بھی باطنی بھی۔ مگر جیسا کہ واضح ہے ظاہری تشریح ایک "خفیف امر" ہوگا جو پائیدار نہیں ہوگا۔ لیکن باطنی تشریح ایک مستقل اور اہم صورت ہے اور انبیاء کے عین شایانِ شان۔ آیاتِ قرآنیہ کی متعدد تفاسیر کرنا تمام اہل علم کا طریق ہے کیونکہ قرآن مجید جوامع الکلم ہے۔

**ناظرین!** ہم نے تمام حقیقت مکمل طور پر آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ نہ اس میں کوئی اختلاف بیانی ہے نہ کلام متناقض لیکن منشی صاحب ہیں کہ اس کو اپنی مزعومہ "اختلاف بیانیوں" کے نویں نمبر پر ذکر کر رہے ہیں۔

---

[1] اسی معنی میں حضرتؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹ پر اس قسم کے پرندوں کا وجود ایک خفیف امر بیان فرمایا ہے۔ منہ

بالآخر یاد رہے کہ ہم اِس بات کو کھلا کھلا شرک سمجھتے ہیں کہ جو صفت محض ذات باری کے لیے مختص ہے وہ اس کے غیر کو دی جائے اور حضرت مسیحؑ کو واقعی خالق یقین کیا جائے۔ درحقیقت ہمارے مخالفین کی نظر میں ہمارا یہی جرم ہے کہ ہم اِس بات کو توحیدِ کامل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور اِسی کے باعث ہم ان اصحاب کی نظروں میں موردِ عتاب ہیں جو حضرت مسیحؑ کے متعلق غالیانہ خیالات رکھتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ اِس معجزہ میں غلو کر کے یہ لوگ نصاریٰ سے بھی چار قدم آگے نکل گئے ہیں۔ اناجیل کو پڑھ جاؤ وہاں یہ معجزہ حقیقی پرندوں کی پیدائش کا کہیں نہ دیکھو گے۔ اگر یہ واقعہ تھا تو کیا ممکن تھا کہ انجیل نویس مزید مبالغہ کی چادر چڑھا کر اِس کو ذکر نہ کرتے؟ ان کا ذکر نہ کرنا صاف دلالت کرتا ہے کہ یہ پرندے حقیقی پرندے نہیں تھے۔ یا تو روحانی پرندے مراد ہیں یا مجازی۔ کما قیل ؎

| | |
|---|---|
| کیوں بنایا ابنِ مریم کو خدا | سنّتِ اللہ سے وہ کیوں باہر رہا |
| ہے وہی اکثر پرندوں کا خدا | اس خدادانی پہ تیری مرحبا |
| مولوی صاحب! یہی توحید ہے | سچ کہو کس دیو کی تقلید ہے |

(درثمین)

**دسواں اختلاف** دجّال کے متعلق مرزا صاحب کی تحقیقات۔ اِس عنوان کے ماتحت معترض پٹیالوی لکھتا ہے:۔

(الف) علماء مخالفینِ مرزا دجال ہیں۔ (فتح اسلام ص۹)

(ب) باقبال قومیں دجّال ہیں۔ ریل ان کا گدھا ہے (ازالہ اوہام ص۱۳۴)

(ج) پادری دجّال ہیں (ازالہ اوہام ص۱۵۹-۱۶۱)

(د) ابن صیاد دجال ہے (ازالہ) یہ چاروں اقوال درج کر کے معترض لکھتا ہے کہ:۔

"چاروں اقوال جداگانہ ہیں"۔ (عشرہ ص۶۶)

**الجواب**:۔ (۱) "تحقیقات" کو "اختلاف بیانی" اور "کلام متناقض" قرار دینا منشی صاحب اور دیوبندی اصحاب کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ حوالہ نمبر الف میں آپ نے جو لکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخالف علماء کو دجّالِ موعود قرار دیا ہے یہ

سراسر دھوکا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ساری کتاب "فتح اسلام" میں کسی جگہ ایسا نہیں لکھا۔ یہ محض معترض کی مغالطہ دہی ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحبؑ نے تو ایسا نہیں لکھا مگر ایسے لوگ خود اپنی غلط بیانی اور دروغ بافی کے ذریعہ اسکی تصدیق کر رہے ہیں۔ پھر معترض نے پادریوں اور با اقبال قوموں کو الگ الگ بیان کیا ہے، حالانکہ حضرتؑ نے ازالہ اوہام میں با اقبال قوموں سے مراد پادریوں کا گروہ ہی لیا ہے، غرض اِس اعتراض میں اوّل تو معترض نے غلط بیانی اور پھر مغالطہ دہی سے کام لیا ہے۔

(۲) دجّال کے معنے مطلق ہیں۔ لکھا ہے :-

"معنی دجال بر صیغہ مبالغہ بسیار فریب دہندہ تلبیس کنندہ بر مردم ست ودریں معنی ست قول وے صلعم وقتیکہ خطبہ کرد ابوبکر فاطمہ را علیہا السلام اِنِّیْ دَعَدْ تُھَا لِعَلِیٍّ وَلَسْتُ بِدَجَّالٍ یعنی من خداع علی و ملبس بر تو نیستم۔" (حجج الکرامہ ص۱۴۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی لکھا ہے :-

"لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں جو باطل کو حق کے ساتھ مخلوط کر دیتے ہیں اور خلق اللہ کے گمراہ کرنے کے لئے مکر اور تلبیس کو کام میں لاتے ہیں۔" (ازالہ اوہام ص۲۰۴ طبع سوم)

"ایک اور بات ہمارے علماء کے لئے غور کے لائق ہے کہ احادیث میں صرف ایک دجّال کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے دجّال لکھے ہیں۔" (ازالہ اوہام ص۶۲)

پس جب دجّال متعدد ہیں اور کم از کم تیس ۳۰ دجالوں کے متعلق تو غیر احمدی بھی بہت ذکر کیا کرتے ہیں۔ تو اگر حضرت مسیح موعودؑ نے دو ۲ دجالوں کا ذکر کر دیا تو اس میں تناقض کیسے لازم آیا؟

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "دجّال معہود" تو پادریوں کے گروہ کو قرار دیا۔ ہاں ابن صیاد کو ایک دجال قرار دیا ہے۔ حضور لکھتے ہیں :-

(الف) "دجّال بہت گزرے ہیں اور شاید آگے بھی ہوں مگر وہ دجّال اکبر جن کا

دجل خدا کے نزدیک ایسا مکروہ ہے کہ قریب ہے جو اس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ یہی گروہ مشتِ خاک کو خدا بنانے والا ہے۔ خدا نے یہودیوں اور مشرکوں اور دوسری قوموں کے طرح طرح کے دجل قرآن شریف میں بیان فرمائے مگر یہ عظمت کسی کے دجل نہیں دی کہ اس دجل سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ پس جس گروہ کو خدا نے اپنے پاک کلام میں دجّالِ اکبر ٹھہرایا ہے ہمیں نہیں نہیں چاہیئے کہ اس کے سوا کسی اور کا نام دجّالِ اکبر رکھیں۔" (انجامِ آتھم ص۴۶)

(ب) "ظاہر ہے کہ یہ کہ مسیحی قوموں اور تثلیث کے حامیوں کی جانب سے وہ ساحرانہ کارروائیاں ہیں اور سحر کے اس کامل درجہ کا نمونہ ہے جو بجز اوّل درجہ کے دجال کے جو دجّالِ معہود ہے اور کسی سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتیں۔ لہذا انہیں لوگوں کو جو پادری صاحبوں کا گروہ ہے دجّالِ معہود ماننا پڑا۔"

(ازالہ اوہام طبع سوم ص۲۰۶)

(ج) "میرا مذہب یہ ہے کہ اس زمانہ کے پادریوں کی مانند کوئی اب تک دجال پیدا نہیں ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔" (ازالہ اوہام طبع سوم ص۲۰۳)

(د) "ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجّال ہی تھا۔ اور بعض شیاطین کے تعلق سے اس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے۔" (ازالہ اوہام طبع سوم ص۹۰)

ان حوالجات سے عیاں ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابن صیاد کو مطلق ایک دجال تسلیم کیا ہے ہاں گروہ پادریاں کو دجالِ معہود مانا ہے فلا اشکال فیہ۔

ابن صیاد کی دجالیت کے متعلق احادیث میں بکثرت ذکر موجود ہے۔ شرح العقائد میں لکھا ہے:۔

ولم یزل النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یخاف انہ الدجّال ..... وکان عمر بن الخطاب وابنہٗ عبد اللہ وجابر الانصاری یعتقدون انہ الدجّال (نبراس ص۵۸۵)

یعنی آنحضرت ہمیشہ خائف رہے کہ ابن صیاد دجال ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابر انصاریؓ کا تو اعتقاد تھا کہ یہی دجال ہے۔"

ایک طویل بیان کے بعد لکھا ہے:۔

لا شك انه من جملة الدجالين۔ (نبراس ص۵۸)

کہ بلاشبہ ابن صیاد دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔"

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:۔

"غایت حدیث ابوسعید آنست کہ ابن صیاد یکے از دجاجلہ باشد" (حجج الکرامہ ص۲۱۴)

غرض ابن صیاد کا مطلق دجال ہونا سب کو مسلّم ہے اور یہی حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھا ہے۔ باقی دجال معہود حضرت نے پادریوں کو قرار دیا ہے اور یہی درست ہے۔ مولوی برخوردار حاشیہ نبراس میں ملّا علی القاری کا قول نقل کرتے ہیں:۔

"یمکن ان یکون لهٗ (للدجال) ابدان مختلفة فظاهرة في عالم الحس والخیال دائر مع اختلاف الاحوال وباطنة في عالم المثال مقید بالسلاسل والاغلال ولعل المانع من ظهوره کما له في الفتنة وجود سلاسل النبوة۔" (نبراس ص۵۸)

یعنی دجال کا مصداق ابدان مختلفہ ہوسکتے ہیں۔ پھر واقعات نے بتا دیا ہے کہ دجال معہود میں جو ابدان مختلفہ ممکن ہیں ان سے کیا مراد ہے۔ پادریوں کا دجال معہود ہونا تو اتنا واضح ہے کہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بھی شائع کرنا پڑا:۔

"مسلمانو! جزیرۂ عرب میں مشنریوں کا جانا یہ خاص علامت قرب قیامت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اس سے ناامید ہوچکا کہ بجز اللہ سبحانہٗ کوئی دوسرا معبود پوجا جائے لیکن آپس کی تحریش البتہ ہوگی لیکن ساتھ اس کے یہ بھی فرمایا گیا کہ قریب قیامت کے دجال بجز حرمین تمام جگہ عرب میں پہنچ جائے گا۔ پس اگر مشنریوں کا گزر جزیرۂ عرب میں ہوا تو یقین جانو کہ قیامت نہایت قریب

ہے اور بہت بڑا انقلاب ہونے والا ہے۔" (اخبار اہلحدیث ۸ مارچ ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰)

ناظرین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دجال کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں اختلاف بیانی کا شائبہ تک نہیں بلکہ وہی بیان معقول، درست اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہے۔ پٹیالوی معترض نے اس بیان کو اختلاف بیانی کے ضمن میں درج کرکے صریح بے انصافی اور بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نمبر اس کے یہ الفاظ آپ پڑھ چکے ہیں۔ لَمْ یَزَلِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخَافُ اَنَّہُ الدَّجَّالُ۔ اب اگر حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھ دیا کہ "حضورؐ پر دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے مُو بمُو منکشف نہ ہوئی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں" تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ عالم الغیب تو صرف خدا تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔

**لطیفہ**

ہر چیز کا ایک مذاق ہوتا ہے۔ جو شخص نکتہ سنج نہ ہو اگر وہ اس میدان میں دم مارے گا تو مُنہ کے بل گرے گا۔

پٹیالوی معترض نے نہایت بھونڈے پن سے لطیفہ کے عنوان سے لکھا ہے (مرزا صاحب کی رُوح سے سوال) یعنی "آپ مسیح کس طرح ہوئے جبکہ آپ کا دجال ابن صیاد ۱۳۰۰ برس ہوئے گزر چکا۔" (عشرہ صفحہ ۶۳)

**الجواب** - سچ ہے ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے آدمی کو موت پہ یہ بد ادا نہ دے

جنابِ من! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کب ابن صیاد کو دجالِ معہود قرار دیا جو آپ کو اس قدر لطیفہ گوئی کی زحمت اٹھانی پڑی؟ حضرتؑ نے اس کو صرف ایک دجال قرار دیا ہے۔ دجال معہود تو پادریوں کا گروہ ہے جو اس وقت اسلام کے استیصال کے درپے ہیں۔ اسی لیئے تو خدا کے شیر پیغمبر

قادیان ؑنے فرمایا اور کیا خوب فرمایا ہے ؎

میں وہ پانی ہوں جو آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

آپ ایسے لوگوں کی بناء الفاسد علی الفاسد کو دیکھ کر ہی کہا گیا ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

الحمد للہ کہ ہم اب پٹیالوی معترض کی پانچویں فصل کے اعتراضات کا کافی وشافی جواب تحریر کر چکے ہیں ✦